# رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے پہلو: تجزیاتی مطالعہ

## ("رنگِ خلش"، "حوا کے روپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔ فل (اردو)


**مقالہ نگار**

اسد جہانگیر عادل


فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد


جولائی، ۲۰۲۱ء

# رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے پہلو: تجزیاتی مطالعہ

("رنگِ خلش"، "حوا کے روپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" کے حوالے سے)

مقالہ برائے ایم۔ فل (اردو)


مقالہ نگار

اسد جہانگیر عادل


یہ مقالہ

ایم فل (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)



فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد


جولائی، ۲۰۲۱ء

# مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انھوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں۔ اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

**مقالے کا عنوان:** رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے پہلو: تجزیاتی مطالعہ

پیش کار: اسد جہانگیر عادل　　　　رجسٹریشن نمبر: MP-URD-AS18-ID027

ماسٹر آف فلاسفی

**شعبہ: اردو زبان و ادب**

ڈاکٹر صائمہ نذیر　　　　________________

**نگران مقالہ**

پروفیسر ڈاکٹر صوفیہ لودھی　　　　________________

**ڈین فیکلٹی آف لینگویجز**

پروفیسر ڈاکٹر محمد سفیر　　　　________________

**پرو ریکٹر اکیڈمکس**

تاریخ:　　　　________________

# اقرار نامہ

میں ، اسد جہانگیر عادل حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے۔اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے ایم۔فل سکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر صائمہ نذیر کی نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گا۔

---

اسد جہانگیر عادل

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

# فہرست ابواب


| | |
|---|---|
| مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم | III |
| اقرار نامہ | IV |
| Abstract | VIII |
| اظہار تشکر | IX |
| **باب اوّل: موضوعِ تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث** | **۱** |
| (الف) تمہید | ۱ |
| ۱۔ موضوع کا تعارف | ۱ |
| ۲۔ بیان مسئلہ | ۲ |
| ۳۔ مقاصد تحقیق | ۲ |
| ۴۔ تحقیقی سوالات | ۲ |
| ۵۔ نظری دائرہ کار | ۳ |
| ۶۔ تحقیقی طریقہ کار | ۳ |
| ۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق | ۳ |
| ۸۔ تحدید | ۴ |
| ۹۔ پس منظری مطالعہ | ۴ |
| ۱۰۔ تحقیق کی اہمیت | ۴ |
| (ب)۔ رفاقت جاوید کا تعارف | ۵ |
| ۱۔ خاندانی پسِ منظر | ۵ |
| ۲۔ پیدائش اور نام | ۶ |

۳۔ تعلیم ۷

۴۔ ازدواجی حیثیت ۸

۵۔ مشاغل ۹

۶۔ ادبی خدمات ۱۰

(ج)۔ بنیادی مباحث اور اردو میں اصلاحی ناول کی روایت (مختصر جائزہ) ۱۲

سماجی مسائل (اسلامی نکتہ نظر سے) ۱۴

اردو میں اصلاحی ناول کی روایت (مختصر جائزہ) ۲۱

حوالہ جات ۳۳

**باب دوّم: رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے تناظر میں عائلی زندگی کے مسائل کی پیش کش ۳۵**

۱۔ عائلی نظام ۳۷

۲۔ اولاد کی تربیت ۴۵

۳۔ لے پالک اولاد ۵۳

حوالہ جات ۶۲

**باب سوّم: رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے تناظر میں قانونی مسائل کی پیش کش ۶۴**

۱۔ علیحدگی کی صورت میں بچوں کی کفالت ۶۶

۲۔ وراثت میں عورت کا مسئلہ ۷۳

۳۔ خاندانی منصوبہ بندی ۸۰

حوالہ جات ۸۵

**باب چہارم: ماحصل ۸۷**

۱۔ مجموعی جائزہ ۸۷

۲۔ نتائج ۱۰۵

۳۔ سفارشات ۱۰۸

**کتابیات** ۱۰۹

Abstract

**Title: The aspect of social reformation in rafaqat javed's novels: A psychoachoanalysis**

(With reference to "Rang-e-khalish", "Hawa k roop hazar" and "Resham k Dhaagey")

Rafaqat javed has emerged to be one of the leading novelists of the contemporary era. She began her literary journey with the novel *"Safar-e-jaavedaan"*, which was publish and publicised in 2011. Her novels have been published quite a time in the magazine named *"Pakeeza maahnaama"*. Her novels have gained much repute of fame uptil now. Her novels are an addition to the custom of Urdu refoming novels. The aspect of society and its reformation is the central theme of her novels.

In the following thesis, three of her novels have been selected i.e *"Rang-e-khalish"*, *"Hawa k roop hazar"* and *"Resham k dhaagay"*. Rafaqat javed has made such social issues the subject of her novels that are related to Islam. Being a part of an Islamic society, people are often seen following boundaries and regulations defined by Islam. The usual topic of her novels is how they accept these laws.

Rafaqat javed has specifically added reforming aspect to her novels. She wants the society to be ivolved following the golden priciples of Islam. According to her, the reason behind all the dillemas of society is remoteness from religion. In the light of these aforementioned three novels, this thesis is an in depth analysis of these problems and a little attempt to explicate the novelist's point of view.

# اظہار تشکر

میں مقالے کی تکمیل کے لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں جس نے ہر طرح کی نعمت بخشی اور اللہ تعالیٰ نے خاص کرم کیا اور مجھے اپنے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی ہمت عطا کی۔ میں شکر گزار ہوں صدر شعبہ اردو، ڈاکٹر عابد سیال، کوارڈینیٹر صائمہ نذیر اور انتہائی واجب الاحترام اساتذہ کا جن کا دستِ شفقت ہر لمحہ اور ہر پل میرے سر پر رہا۔ میں بالخصوص اپنی نگران ڈاکٹر صائمہ نذیر کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جنھوں نے مجھے انگلی پکڑ کر اس راہ میں منزل تک پہنچایا۔ ہر طرح سے میری مدد کی اور مجھے ذاتی کتب بھی عطا کیں۔

میں اپنے والد کا بے حد ممنون ہوں، انھوں نے خود مشقت اٹھائی اور مجھے یہاں تک پہنچایا۔ اپنی والدہ کا ممنون ہوں جن کی دعاؤں کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ میں اپنے ہم جماعت بھائیوں عارف، شعیب اور اپنی بہنوں، سندس خورشید، سمینہ اسماعیل اور رختاج بی بی کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے میری لمحہ لمحہ مدد کی۔ پھر Steps college کا شکریہ ادا نہ کرنا کم ظرفی ہو گا کہ یہاں ایسا ماحول ملا جس میں کام کرنا بہت آسان لگا۔ اس پر سکون ماحول کی فراہمی کے لیے میں کالج کی تمام انتظامیہ کا شکر گزار ہوں اور ان کی علم دوستی کو سراہتا ہوں۔ آخر میں اپنے کمپوز مہر محمد مظہر کاٹھیا کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں، جنھوں نے چند گھنٹوں میں میرے مقالے کی سیٹنگ کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ سب کا حامی وناصر ہو۔ (آمین)

اسد جہانگیر عادل

ایم۔ فل اُردو

باب اوّل:

# موضوعِ تحقیق کا تعارف اور بنیادی مباحث

## (الف) تمہید

### ا۔ موضوع کا تعارف:

میرے ایم۔فل اردو کے مقالے کا مجوزہ موضوع "رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے پہلو: تجزیاتی مطالعہ " ہے۔ رفاقت جاوید موجودہ دور کی اہم ناول نگار ہیں۔ رفاقت جاوید کے پاس اپنے عصری مسائل کے مشاہدے کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ موضوعاتی حوالے سے ان کے ہاں تنوع ملتا ہے۔ ان کے متعدد ناول چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں اور کئی ناول مختلف رسائل میں قسط وار شائع ہو رہے ہیں۔ ان کے ناولوں میں اگر موضوعاتی تنوع کو دیکھا جائے تو بہت سے موضوعات ملتے ہیں جن میں جدید معاشرے میں فرد کے مسائل، فرسودہ رسم ورواج، نفسیاتی مسائل، سماجی مسائل، حقوق نسواں، وطن سے محبت، تصوف، لے پالک اولاد کی اہمیت، تقسیم ہند، اولاد کی پرورش کے مسائل اور اسلام سے دوری کے معاشرے پر اثرات وغیرہ جیسے موضوعات قابلِ ذکر ہیں۔

اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبے سے متعلق رہنما اصول وضع کیے ہیں وہیں اس کا سماجی پہلو بھی اپنے اندر ہمہ گیریت کا حامل ہے۔ سماجی حوالے سے اسلام نے زندگی کے ہر مسئلے پر رہنمائی فراہم کر دی ہے، لیکن جب ان سے انحراف کیا جاتا ہے تو معاشرے میں ایک بگاڑ کی سی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے لہذا اس معاشرے کے تمام قوانین بھی اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ترتیب پاتے ہیں۔ رفاقت جاوید نے اپنے ناولوں میں جہاں دیگر موضوعات کو پیش کیا ہے وہیں ان ناولوں کا ایک اہم پہلو اسلام کے سماجی اصولوں سے انحراف کی صورت میں پیدا ہونے والے مسائل بھی ہیں۔ ان کو موضوعات کو دو حوالوں سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے: ایک عائلی مسائل اور دوسرا عائلی قانونی مسائل۔ آپ نے ان بنیادی مسائل کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جو بظاہر معمولی نظر آتے ہیں لیکن

ان کے اثرات دیر پا ہوتے ہیں۔ رفاقت جاوید اپنے ناولوں میں سچی کہانیوں کو اس طرح پیش کرتی ہیں کے معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔

## ۲۔ بیان مسئلہ:

سماج اور اس میں موجود مسائل ایک توجہ طلب موضوع ہے۔ ناول میں سماجی مسائل کی عکاسی عام ملتی ہے۔ سماجی مسائل کے ادراک اور ان کے حل کا ایک پہلو اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بھی ترتیب پاتا ہے۔ رفاقت جاوید کے ناولوں میں ان مسائل کا گہرا شعور ملتا ہے۔ اُنھوں نے اپنے ناولوں میں عائلی مسائل اور عائلی قانونی مسائل کو بھی موضوع بنایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ناول اصلاحی نقطہ نظر کے حامل ہیں۔ زیر نظر مقالے میں ان کے تین ناولوں "رنگِ خلش"، "ہوا کے رُوپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" میں ان عائلی مسائل کی نشان دہی کر کے انھیں اسلامی اور قانونی نقطہ نظر سے موضوعِ تحقیق بنایا جائے گا۔

## ۳۔ مقاصد تحقیق:

مجوزہ تحقیقی مقالے کے مقاصد درج ذیل ہیں:

(الف) رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی مسائل سے آگاہی حاصل کرنا۔

(ب) رفاقت جاوید کے ناولوں میں عائلی زندگی کے مسائل کی نشان دہی کرنا۔

(ج) رفاقت جاوید کے ناولوں میں عائلی قانونی مسائل کے مضمرات کو متعارف کرانا۔

## ۴۔ تحقیقی سوالات:

(الف) رفاقت جاوید کے ناولوں کی انفرادیت کیا ہے؟

(ب) رفاقت جاوید کے ناولوں میں کن سماجی پہلوؤں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے؟

(ج) رفاقت جاوید کے ناولوں میں عائلی زندگی کے کن مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے؟

(د) رفاقت جاوید کے ناولوں میں کن عائلی قانونی مسائل کو متعارف کرایا گیا ہے؟

## ۵۔ نظری دائرہ کار:

زیر نظر تحقیق میں رفاقت جاوید کے تین ناولوں "رنگِ خلش"، "حوا کے رُوپ ہزار" اور "ریشم کے دَھاگے" کا سماجی اصلاح کے حوالے سے تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔ سماجی مسائل کے حوالے سے مخصوص پہلوؤں کے تناظر میں مطالعہ کیا گیا ہے۔ عائلی اور عائلی قانونی مسائل جو کسی معاشرے کا توازن خراب کرتے ہیں اور معاشرے کا امن بُری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اس حوالے ان مسائل کو سمجھنے کے لیے "سید سابق مصری" کی کتاب "خاندانی نظام" سے مدد لی گئی ہے۔ جس کی توضیح و تشریح اسلامک سکالر "حافظ محمد اسلم شاہدروی" نے کی ہے۔ اس کتاب میں اُنھوں نے کامیاب سماج کی خصوصیات کے ساتھ خاندانی نظام کو مضبوط اور مستحکم بنانے کے اصولوں کو پیش کیا ہے۔ اسی کے ساتھ انھوں نے عائلی زندگی کے تمام پہلووں منگنی، نکاح، طلاق، خلع، عدت اور پرورش وغیرہ جیسے احکام کے ضمن میں بیسیوں مسائل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

## ۶۔ تحقیقی طریقہ کار:

زیر نظر مقالے میں رفاقت جاوید کے ناولوں "رنگِ خلش"، "حوا کے روپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" پر انحصار کیا جائے گا۔ دستاویزی اور بنیادی ماخذ تک رسائی کے لیے رفاقت جاوید کے ناول "رنگِ خلش"، " حوا کے روپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" حاصل کیے گئے ہیں۔ بنیادی ماخذ تک رسائی کے بعد رفاقت جاوید کی حالات زندگی اور شخصیت سے آگاہی کے لیے رفاقت جاوید نیز ان کے احباب اور دیگر ادیبوں سے انٹرویوز کو بھی شامل تحقیق کیا جائے گا۔ انٹرویوز، تحقیقی رسائل وجرائد کے ساتھ ساتھ ناول نگاری اور سماجی حوالے سے تحقیقی و تنقیدی اسلامی کتب کا مطالعہ بھی شامل تحقیق ہو گا۔ جن میں سے چند کی فہرست ثانوی کتب میں دی گئی ہے۔ مزید کتب تک رسائی کے لیے سرکاری، جامعاتی اور نجی کتب خانوں سے استفادہ کیا جائے گا۔

## ۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق:

مجوزہ موضوع "رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے پہلو: تجزیاتی مطالعہ" پر تاحال کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔

## ۸۔ تحدید:

زیر نظر مقالے میں رفاقت جاوید کے تین ناولوں "رنگِ خلش"، "ہوا کے روپ ہزار" اور "ریشم کے دھاگے" کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان تین ناولوں میں سماجی اصلاح کو عائلی تناظر میں موضوع بنایا گیا ہے اور دو پہلو "عائلی مسائل" اور "عائلی قانونی مسائل" خاص طور پر پیشِ نظر رہے۔

## ۹۔ پس منظری مطالعہ:

اردو ادب کی روایت میں اصلاحی ناول ملتے ہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ اردو میں ناول کا آغاز ہی اصلاحی ناول سے ہوتا ہے تو بے جا نہ ہو گا، نذیر احمد، راشد الخیری کے ناول اصلاحی نوعیت کے ناول تھے، بعد میں بھی وقتاً فوقتاً اصلاحی نکتہ نظر کے پیشِ نظر ادب تخلیق کیا جاتا رہا۔ اسلامی ادب کی تحریک اس فکر کی ترجمانی کرتی نظر آتی ہے۔ اس سلسلے کے پیشِ نظر رفاقت جاوید کے ناولوں میں اسلام کے سماجی پہلوں کا تجزیہ کیا جائے گا۔ پس منظری مطالعہ کے طور پر اردو ناول نگاری کی روایت کے مطالعے سے ناول کے موضوعاتی تنوع سے آگاہی اور اس پر مبنی تنقیدی کتب کو پیشِ نظر رکھا جائے گا۔ اس کے علاوہ رفاقت جاوید کے ناولوں پر لکھے گئے تنقیدی مضامین، تبصروں اور تجزیوں کو بھی شامل تحقیق کیا جائے گا۔

## ۱۰۔ تحقیق کی اہمیت:

رفاقت جاوید موجودہ دور میں اردو ادب کے حوالے سے ناول نگاری میں ایک اہم نام ہیں۔ دیگر ناول نگاروں کی طرح ان کے پاس بھی موجودہ دور کے مسائل کے مشاہدے کی صلاحیت موجود ہے، اور انھوں نے اپنی تحریروں سے معاشرے کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی ہے۔ تاہم ان کی ادبی خدمات وقت کی دھند میں چھپ گئی ہیں اور ان کے کام کو ان کی قابلیت کے مطابق سراہا نہیں گیا۔ ضرورت ہے کہ ان کی تحریروں کا تجزیہ کیا جائے اور ان کے کام پر مختلف جہات سے تنقید و تحقیق کی جائے۔ یہ مقالہ اسی سلسلے کی ایک کاوش ہو گا۔

## (ب)۔ رفاقت جاوید کا تعارف

### ا۔ خاندانی پسِ منظر:

رفاقت جاوید کے دادا راجہ عالم جو کہ انتہائی شریف النفس انسان تھے ان کا تعلق اعوان راجپوت خاندان سے تھا، پیشے کے اعتبار سے زمیندار تھے۔ لیکن روایتی زمینداروں سے الگ تھے اسی لیے اپنی اولاد کی تربیت اور اعلیٰ تعلیم کا خاص خیال رکھا۔ رفاقت جاوید اپنے خاندان کا ذکر ان الفاظ میں کرتی ہیں:

"میرے دادا کا تعلق اعوان راجپوت خاندان سے تھا۔ وہ ایک زمیندار تھے، لیکن ہم کوئی بہت بڑے زمیندار نہیں تھے کوئی سو ایکڑ زمین ہو، اس لیے ان کی سوچ روایتی زمینداروں جیسی نہیں تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی اولاد اعلیٰ تعلیم حاصل کرے۔"(۱)

ان کے ہاں تین اولادیں ہوئیں جن میں تینوں بیٹے تھے۔ راجہ عالم صاحب کو سب بہت عزیز تھے اور انھوں نے اپنے بچوں کی تعلیم پر خاص توجہ دی اور ان کی خواہش تھی کہ ان کی تمام اولاد اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو۔ سب سے بڑا بیٹے کا نام راجہ عبد العزیز ہے جو سادھری گورنمنٹ سکول کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ ان کے بعد راجہ عبدالمحبوب ہیں جو پولیس آفیسر تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے راجہ عبدالمجید بھی پولیس آفیسر تھے۔ رفاقت جاوید بتاتی ہیں:

"میرے والد صاحب کل تین بھائی تھے۔ تایا جن کا نام راجہ عبد العزیز تھا ،سادھری سکول میں ہیڈ ماسٹر رہے۔ میرے والد صاحب راجہ عبدالمحبوب پولیس آفیسر تھے۔ اور چچا راجہ عبدالمجید بھی پولیس آفیسر رہے۔"(۲)

راجہ عبدالمحبوب جو کہ رفاقت جاوید کے والد ہیں ان کے ہاں ایک بیٹا اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ رفاقت جاوید اپنے بہن بھائیوں میں دوسرے نمبر پر ہیں۔ بھائی سب سے بڑے تھے جن کا نام راجہ جاوید تھا، اپنی بھرپور جوانی میں عالم فانی سے دارالبقا کی جانب رخصت ہوگئے۔ ان کی چھوٹی بہن جن کا نام شمائلہ ہے وہ رشتہ اذدواج میں منسلک ہونے کے بعد گھریلو زندگی گزار رہی ہیں، ان کی شادی میجر ڈاکٹر شاہد سے ہوئی۔ رفاقت جاوید کا تعلق اعوان خاندان سے ہے، ان کے والد راجہ عبدالمحبوب پولیس آفیسر تھے اور

۱۹۴۷ء کی ہجرت میں وہ واہگہ بارڈر پر اپنے فرائض خوش اسلوبی سے نبھا رہے تھے، تقسیم کے بعد انھوں نے لاہور میں ہی سکونت اختیار کی۔ اپنے بہن بھائیوں کے حوالے سے ایک انٹرویو میں رفاقت جاوید کہتی ہیں:

"ہم تین بہن بھائی ہیں۔ بھائی سب سے بڑے تھے جن کا نام راجہ جاوید تھا وہ جوانی میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے بعد میں اور مجھ سے چھوٹی ایک بہن جس کا نام شمائلہ ہے اس کی شادی میجر ڈاکٹر شاہد سے ہوئی اور وہ ایک ہاؤس وائف ہیں۔(۳)

راجہ عبدالمحبوب کا تعلق تو زمیندار خاندان سے تھا لیکن انھوں روایتی زمیندار بننے کی بجائے تعلیم و محنت کو ترجیح دی۔ اسی لیے انھوں نے اپنی اولاد کو تعلیم اور محنت کی نصیحت کی۔

## ۲۔ پیدائش اور نام:

رفاقت جاوید یکم اپریل ۱۹۵۷ء کو لاہور میں پیدا ہوئیں۔ انھوں نے اپنی زندگی کے ابتدائی دن اپنے والدین کے ساتھ لاہور میں ہی گزارے اور وہاں ہی کھیل کود کر بڑی ہوئیں۔ عام طور پر بیٹیوں کی پیدائش پر بہت خوشی نہیں منائی جاتی لیکن ان کی پیدائش پر ان کے والد نے انتہائی خوشی کا اظہار کیا۔ انھوں نے بیٹے اور دونوں بیٹیوں کو یکساں پیار اور توجہ دی اور ان کی تربیت زندگی کے عمدہ اصولوں پر کی۔ اپنی تاریخ پیدائش کے متعلق رفاقت جاوید کہتی ہیں:

"میں یکم اپریل ۱۹۵۷ء کو میوہاسپٹل لاہور میں پیدا ہوئی اور یہی تاریخ پیدائش سرکاری ریکارڈ میں بھی درج ہے۔"(۴)

رفاقت جاوید کے نام سے یہ گماں نہیں ہوتا کہ یہ کسی خاتون کا نام ہے اس حوالے سے ایک رسالہ ماہنامہ پاکیزہ میں انٹرویو دیتے ہوئے رفاقت جاوید نے اس سوال کا جواب کچھ یوں دیا:

"مجھے آج بھی یہی شکایت ہے۔ میرے والد صاحب نے میرا نام نرگس رکھا تھا کیونکہ انھیں فلمی اداکارہ نرگس اور نرگس کا پھول اور اس کی بھینی بھینی خوشبو بہت پسند تھی، امی کو یہ پسندیدگی بہت ناگوار گزری۔ انھوں نے دوستی یاری میں پکارتے ہوئے مجھے اپنی رفاقت بنالیا۔ اگر امی نے میرا نام محبت اور

چاہت سے نہ رکھا ہوتا تو میں ہوش و حواس میں آتے ہی اپنا نام بدل ڈالتی۔"(۵)

یہ ان کی اپنی والدہ سے محبت تھی کہ انھوں ادیب بن کر بھی کوئی قلمی نام نہیں رکھا۔ آج بھی دنیا انھیں رفاقت جاوید کے نام سے ہی جانتی ہے۔

## ۳۔ تعلیم:

رفاقت جاوید نے ابتدائی تعلیم لاہور سے حاصل کی اور میٹرک کا امتحان گورنمنٹ سکول فار گرلز لاہور سے ۱۹۷۱ء میں پاس کیا۔ میٹرک کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کرنے کے بعد لاہور میں ہی گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور انٹر میڈیٹ میں سائنس مضامین پڑھے ۱۹۷۳ء میں انھوں نے ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان اچھے نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ آپ کے والد ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں میں قیام کرتے رہے۔ اس لیے آپ کو مختلف تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ میٹرک اور ایف۔ ایس۔ سی لاہور سے کرنے کے بعد والد کی ٹرانسفر کی وجہ سے جھنگ آ گئیں۔ یہاں انھوں نے ڈیڑھ سال گزارا۔ پھر وہاں سے چکوال منتقل ہو گئے۔ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان ۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ کالج چکوال سے پاس کیا۔

"میں نے ابتدائی تعلیم لاہور سے ہی حاصل کی، میٹرک گورنمنٹ گرلز سکول لاہور سے ۱۹۷۱ء میں پاس کیا اور گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۷۳ء میں ایف۔ ایس۔ سی کا امتحان پاس کیا۔ پھر والد صاحبکی ملازمت کے حوالے سے جھنگ اور چکوال منتقل ہو گئے۔ بی۔ ایس۔ سی کا امتحان گورنمنٹ کالج چکوال سے ۱۹۷۶ء میں پاس کیا۔"(۶)

ان کے والد چونکہ ملازمت کے سلسلے میں بہت سے شہروں میں رہے اس لیے انھیں مختلف قسم کا ماحول اور لوگوں سے بھی واسطہ رہا۔ جس کا اثر ہمیں ان کے ناولوں میں بھی ملتا ہے۔ کیونکہ ان کی زیادہ تر کہانیاں سچ پر ہی مبنی ہیں۔

## ۴۔ ازدواجی حیثیت:

حصول تعلیم کے دوران ہی ان کا رشتہ ان کے قریبی رشتہ دار قاضی جاوید سے طے پا گیا۔ قاضی جاوید ان دنوں فلائیٹ لفٹیننٹ کے عہدے پر فائز تھے۔ قاضی جاوید کو ۱۹۷۱ء کی جنگ میں عمدہ کارکردگی پر ستارہ جرات سے نوازہ گیا۔ پرموشن کے بعد وہ اسکواڈرن لیڈر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ اور رفاقت جاوید بھی بی۔اے کا امتحان پاس کر چکی تھیں۔ ۱۹۷۶ء میں رفاقت جاوید رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئیں۔

اپنی شادی کے حوالے سے رفاقت جاوید کا کہنا ہے:

> "بی۔ایس۔سی کے امتحان سے فارغ ہوئی تو ۱۹۷۶ء میں ہی میری شادی قاضی جاوید سے ہوئی جو اس وقت اسکواڈرن لیڈر کے عہدے پر فائز تھے۔"(۷)

قاضی جاوید ایک قابل اور محنتی انسان ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ رفاقت جاوید اپنے شوہر کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزار رہی ہیں۔ قاضی جاوید ائیر مارشل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے اور اس کے بعد ائیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ رفاقت جاوید کے ہاں تین بچوں کی پیدائش ہوئی اور تینوں بیٹے ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے کا نام عمر قاضی ہے جنھوں نے ابتدائی تعلیم ماڑی پور (پی۔اے۔ایف بیس مسرور) سے حاصل کی، ایف۔ایس۔سی کا امتحان کیڈٹ کالج حسن ابدال سے پاس کیا۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم۔بی۔بی۔ایس کیا اور آج کل امریکہ میں اپنا ذاتی کلینک چلا رہے ہیں۔ دوسرے بیٹے کا نام حمزہ قاضی ہے، انھو ں نے ابتدائی تعلیم راولپنڈی میں ایمبروز ہال سکول سے حاصل کی۔ میٹرک اور ایف۔ایس۔سی پی۔اے۔ایف کالج اسلام آباد سے کی اور نیویارک یونیورسٹی سے گرافک ڈیزائینگ میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔ تیسرے بیٹے کا نام سفیان قاضی ہے، جن کو بچپن سے ہی میوزک اور گیمز کا شوق تھا۔ ایس۔ٹی۔میرے سے اولیول کرنے کے بعد بیکن ہاؤس سے اے لیول کیا۔ اس کے بعد ائیر یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجیرنگ کی۔ آج کل وہ بھی آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔ اپنے بچوں کے بارے میں انٹرویو میں بتاتی ہیں:

> "میرے تین بیٹے ہیں سب سے بڑے بیٹے کا نام عمر قاضی ہے دوسرے بیٹے کا نام حمزہ قاضی ہے اور تیسرے بیٹے کا نام سفیان قاضی ہے۔ عمر قاضی ایک

ڈاکٹر ہیں اور امریکہ میں اپنا کلینک چلا رہے ہیں جب کہ حمزہ قاضی نے نیویارک یونیورسٹی سے گرافک ڈیزائینگ میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی۔ آج کل آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔ جن کو بچپن سے ہی میوزک اور گیمز کا شوق تھا۔ ایس۔ ٹی۔ میرے سے اولیول کرنے کے بعد بیکن ہاؤس سے اے لیول کیا۔ اس کے بعد ائیر یونیورسٹی سے الیکٹریکل انجیرنگ کی۔ آج کل وہ بھی آسٹریلیا میں مقیم ہیں۔"(۸)

رفاقت جاوید ایک ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماں بھی تھیں اس لیے انھیں یہ محسوس ہوا کہ ان کی زندگی پر سب سے زیادہ حق ان کی اولاد کا ہے اس لیے انھوں نے اپنے بیٹے عمر قاضی کی پیدائش پر اپنی ساری توجہ اپنے بیٹے کو دی اور اس طرح انھوں نے عارضی طور پر اپنے ادبی سفر کو روک کر اپنے بچوں کی پرورش میں ہی اپنا وقت صرف کیا۔ بچوں کی ذمہ داری سے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ انھوں نے قلم اٹھایا اور ۳۳سال کے بعد ایک بار پھر سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا۔

## ۵۔مشاغل:

کتابیں پڑھنے اور لکھنے کے علاوہ رفاقت جاوید مصوری سے خاصا شغف رکھتی ہیں۔ اس شوق کی تکمیل کے لیے انھوں نے فن مصوری کو باقاعدہ طور پر سیکھا اور اس کا ثبوت ان کے گھر کی دیواروں پر لگی بہت سی خوبصورت پینٹگز ہیں جو کہ ان کے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی ہیں۔ ان کی پینٹنگز میں بکھرے مختلف خوبصورت رنگ ان کی زندہ دلی اور حساسیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ان کے ناولوں کی طرح ان کی پینٹنگز بھی معاشرے کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ اس کے علاوہ عورت ہونے کی وجہ سے کڑھائی سلائی کا شوق بھی ان کے مزاج میں شامل ہے۔ رنگوں سے محبت انھیں پھولوں کی وجہ سے ہوئی کیونکہ باغبانی بھی ان کے مشاغل میں سے ایک اہم مشغلہ ہے۔ اپنے انٹرویو میں کہتی ہیں:

"مجھے ہمیشہ پینٹگ کا بہت شوق رہا۔ مگر مصروفیات کی وجہ سے یہ شوق دھرا رہ گیا۔ کڑھائی سلائی، باغبانی، انٹیریر ڈیکوریشن اور فلاور میکنگ کا شوق بحالت ضرورت میری زندگی میں ان کی شمولیت رہی۔ میری بہت عزیز دوست شہلا اورنگ زیب نے میرے جذبہ شوق کو دیکھتے ہوئے پینٹگ برش میرے

ہاتھوں میں تھمایا اور اپنا ہنر مجھ میں منتقل کر دیا۔ میرے گھر میں بیسیوں پینٹنگز میرے ہاتھ کی بنی ہوئی دیواروں پر آویزاں ہیں۔"[۹]

رفاقت جاوید کے ناولوں کی طرح ان کی پینٹنگز میں بھی بہت سے سماجی مسائل کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ پھولوں سے محبت ان کی نزاکت کا ثبوت ہے۔ وہ اپنا فارغ وقت انھیں مشاغل میں خود کو مصروف رکھ کر گزارتی ہیں۔

## ۶۔ ادبی خدمات:

عہدِ حاضر کی ادبی شخصیات میں ایک نمایاں نام رفاقت جاوید کا ہے۔ رفاقت جاوید نے ادبی زندگی کا آغاز بارہ برس کی عمر سے کیا۔ ابتداء بچوں کی دنیا، کھلونا اور اخبارات میں بچوں کی کہانیوں سے متاثر ہو کر بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے سے کی سولہ برس کی عمر میں خواتین کے رسائل میں افسانے لکھے۔ شاعری سے بھی شغف تھا اور بہت سی غزلیں اور نظمیں لکھیں لیکن جلد ہی شاعری کو خیر آباد کہہ دیا اور شادی کے بعد یہ سلسلہ رک گیا اور بچوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر ۲۰۱۲ سے دوبارہ لکھنا شروع کیا اور مختلف ڈائجسٹ، آنچل ،حجاب، پاکیزہ، خواتین اور کرن وغیرہ میں افسانے لکھے۔ اپنی ادبی زندگی کے آغاز کے حوالے سے رسالہ پاکیزہ کے انٹرویو میں بتاتی ہیں:

" میں نے بارہ سال کی عمر میں بچوں کی کہانیوں سے اپنے قلمی سفر کا آغاز کیا تھا۔ اس میں میرے والد صاحب کا ہاتھ تھا۔ انھوں نے میری بہت رہنمائی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین)۔"[۱۰]

اس کے علاوہ اب تک اکیس ناول جو شائع ہو چکے ہیں اور دو ناول زیر طبع ہیں ان کا شاعرانہ اسلوب نثر کی سلاست اور روانی میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ناول کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ آسان اور سہل جملوں سے قاری کو متاثر کرتی ہیں۔ آپ نے ان ناولوں میں معاشرے کے مسائل کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے اور ہماری توجہ ان وجوہات کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جو معاشرے میں مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ ان کے ناولوں میں:

i. بہاروں کی پت جھڑ میں

ii. انجانی راہیں

iii. جیسا میں نے دیکھا

iv. کانچ کے رشتے

v. ذرا نم ہو تو یہ مٹی

vi. آیتِ عشق

vii. اگر سمندر روشنائی ہوتے

viii. یادیں میری ہمسفر

ix. چودھویں کا چاند

x. پندرھویں کی رات

## (ج)۔ بنیادی مباحث اور اردو میں اصلاحی ناول کی روایت (مختصر جائزہ)

### ا۔ سماج کی تعریف:

"سماج لفظ سنسکرت زبان کے دو لفظوں سے مل کر بنا ہے یہ لفظ ہیں "سم" اور "اج" سمکے معنی ہیں اکٹھا یا ایک ساتھ اور اج کا معنی رہنا۔ یعنی سماج کے معنی ہیں ایک ساتھ رہنا۔ انگریزی میں سماج کے لیے societyلفظ استعمال ہوا ہے لفظ societyلاطینی زبان sociasسے بنا ہے جس کے معنی ہیں اکٹھا ہونا۔ اس خیال سے جہاں افراد ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں وہیں سماج بن جاتا ہے۔ سماج افراد کا ایسا گروہ ہے جس میں افراد کچھ روایتوں، اصولوں اور آدرشوں سے بندھے ہوتے ہیں۔"[۱۱]

سوسائٹی، معاشرہ یا سماج ان سب سے مراد انسانوں کا وہ گروہ ہے جو باہمی تعلق کے اعتبار سے انفرادی خصوصیات کا حامل ہو۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا، سماج اور انسان میں گہرا رشتہ ہے۔ سماج کے بغیر انسان نامکمل ہے، سمجھنے اور سوچنے کی صلاحیت معاشرہ اور سماج میں ہی رہ کر پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لیے سماج کی تکمیل کے لیے انسان کا ہونا لازمی ہے، درخت، پودوں، چرند، پرند یا دوسری مخلوقات سے معاشرہ یا سماج قائم نہیں ہوتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اور سماج دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ انسانوں کی جماعت سماج قائم کرتی ہے۔

ویبسٹرز نیو انگلش ڈکشنری کے مطابق:

Human beings in General taken in relation to one another:an organized community : a body of persons united for some of person united for some common purpose: the more cultivatedor more fashionable part of the community: [۱۲]

اسی سماج میں رہنے کے لیے اور زندگی کو آسان اور موثر بنانے کے لیے انسان نے کچھ اصول مرتب کیے ہیں جن پر عمل کر کے ہی انسان کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ اسی طرح کچھ قانون اور قاعدے قدرت

کے بنائے ہوئے ہیں جن سے انحراف کرکے نہ تو ہم ایک اچھے انسان بن سکتے ہیں اور نہ ہی ایک عمدہ معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ اگر انسان کی تخلیق پر غور کیا جائے تو انسان اور جانوروں میں سب سے بڑا فرق خالق نے شعور کا رکھا ہے، اگر اس فرق کو ختم کر دیا جائے تو انسان اور جانور کا فرق بھی ختم ہو جاتا ہے اور شعور کا اندازہ معاشرے میں موجود اصولوں کی پاسداری ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ انسان کی تاریخ بہت پرانی ہے اور ہر دور میں انسان کو دوسرے انسانوں کی ضرورت رہی ہے، ہوا، پانی، روشنی اور خوراک کی طرح معاشرہ یا سماج بھی انسان کی سب سے اہم ضرورت ہے۔ انسان کے اسی رابطے اور تعاون سے معاشرے یا سماج کا وجود ہے۔ انسان معاشرے میں رہتے ہوئے کسی نہ کسی مذہب یا عقیدے سے جڑا ہوتا ہے۔ مذہب بھی انسان کی زندگی گزارنے کے اصول بتاتا ہے۔ یہ تمام اصول وضوابط انفرادی طور پر ایک انسان کی اور مجموعی طور پر سارے معاشرے کی بہتری اور بھلائی کے لیے بنائے جاتے ہیں لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان فطری طور پر ایک دوسرے سے الگ مزاج رکھتا ہے۔ اور اسی مزاج کی وجہ وہ ان اصولوں کو توڑتا بھی جس سے سماج میں بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اگر مذہبی طور پر دیکھا جائے تو اسلام نے سب سے بہترین اصول وضع کیے ہیں جن پر عمل کرکے ایک عمدہ معاشرہ قائم کیا جاسکتا۔ اور اس کی سب سے عمدہ عملی مثال ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی ہے، جنھوں نے اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر ایک اعلیٰ معاشرہ قائم کرکے دکھایا۔ اسلام نے حقوق العباد پر نہ صرف زور دیا ہے بلکہ انسانوں کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی دلاتا ہے۔ معاشرے کے عمدہ قیام کے لیے اسلام نے نفع رسانی، رواداری، حریت، اور مساوات کے اصول پیش کیے ہیں۔ انسان فطری طور خواہش رکھتا ہے کہ وہ دوسروں سے نمایاں رہے اور سب اس کے تابع ہوں، دوسروں پر غالب ہونے کے لیے اسے زیادہ دولت اور طاقت کی ضرورت ہوتی ہے، جسے حاصل کرنے کے لیے وہ ان اصولوں کو توڑتا ہے جو ایک اعلیٰ معاشرے کے قیام کے لیے لازمی ہوں۔ جس سے سماج میں بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ جن سے معاشرے کا امن برباد ہوتا ہے۔ جیسے جیسے انسان نے ترقی کی ہے ویسے ویسے اس کی خواہشات بھی بڑھتی رہی ہیں۔ اور نئے نئے سماجی مسائل جنم لیتے رہے ہیں۔ انھیں خواہشات نے انسان کو مختلف طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔

## سماجی مسائل:

جب جب انسان نے سماجی اصولوں سے انحراف کیا ہے، سماج میں بہت سی برائیوں اور مسائل نے جنم لیا ہے۔ ان برائیوں نے معاشرے کی امن وسکون کو برباد کیا ہے اور انسان ان کے اثرات سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق کی تو انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لیے پیغمبر اور رسول بھیجے جو اپنے اپنے دور میں انسانوں کی فلاح کے لیے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ظہورِ اسلام سے قبل دور جاہلیت تھا جو بہت سی برائیوں میں گرا ہوا تھا۔ اسلام نے انسان کو زندگی گزارنے کے تمام اصول واضع کر دیے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان پر عمل کر کے ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ جب ہم نے ان اصولوں کو چھوڑا تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور بے شمار سماجی مسائل نے جنم لیا۔ ان میں نسلی امتیاز، لاقانونیت، دہشت گردی، بے روزگاری، غربت، ناخواندگی اور جہالت، طبقاتی کشمکش، انسانی حقوق کا مسئلہ، فرقہ واریت، آزادی نسواں، مہنگائی، روحانیت کا فقدان، جنسی امتیاز، بدعنوانی، قرض، بچوں کی تربیت، تعلیم، وراثت کے مسائل، حقوق نسواں وغیرہ شامل ہیں۔

## سماجی مسائل (اسلامی نکتہ نظر سے):

کوئی معاشرہ **عدل و انصاف** کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ جس معاشرے میں عدل و انصاف نہ ہو وہ معاشرہ انتشار، ظلم، بدامنی اور فتنہ وفساد کا گہوارہ بن جائے گا۔ اس لیے کسی معاشرے کو قائم رکھنے کے لیے سب سے اہم اور بنیادی ضرورت عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں بھی عدل وانصاف کا کوئی تصور نہ تھا، طاقت ور کمزور پر ظلم کرتا اور اس کا حق غصب کرتا تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانوں کو عدل قائم کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایت کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب
اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"[۱۳]

جو معاشرہ عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم کیا جائے گا وہاں پائیداری اور استحکام ہو گا۔ اگر سماج سے عدل وانصاف ختم ہو جائے تو انسان اور جانور کا فرق ختم ہو جائے گا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ

کسی سماج کی ترقی اور کامیابی کا انحصار عدل و انصاف پر ہی ہوتا ہے۔ عدل کے ذریعے ہی ہر فرد کے حقوق متعین کیے جاسکتے ہیں۔ اگر اسلام کے تصور عدل و انصاف کو اپنایا جائے تو ایک مثالی معاشرہ قائم ہوتا ہے جس معاشرے میں انسان خود مل جل کر اپنے مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔ عدل کسی نظام کا صرف نام نہیں بلکہ یہ درست انسانی رویوں سے تشکیل پانے والی کیفیت کا نام ہے۔ جس کا آغاز انسان کے ذہن، سوچ سے شروع ہوکر اس کے اعمال تک پہنچتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر انسان بنیادی طور پر عادل ہوتا ہے، وہ گھر میں ہو یا دفتر میں اپنے کام یا فیصلوں میں عدل سے کام لیتا ہے۔ وہ بازار یا منڈی میں ہو تو ناپ تول میں انصاف کرتا ہے۔ نیز وہ کسی بھی طبقے سے ہو، کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو ہر جگہ عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ قرآنِ پاک میں زندگی کے ہر زاویہ میں عدل و انصاف کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں سماجی عدل و انصاف کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں کے لیے عدل و انصاف کا حکم ہے۔ اس حوالے سے اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

> "اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور اللہ کے لیے گواہ بنو اگرچہ تمھارے انصاف اور تمھاری گواہی کی زد خود تمھاری اپنی ذات پر یا تمھارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو (فریق معاملہ) خواہ مال دار ہو یا غریب، تو اللہ ان کا تم سے زیادہ خیر خواہ ہے لٰہذا اپنی خواہشوں کی پیروی میں عدل سے باز نہ ہو اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچ سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کی خبر ہے۔"(۱۴)

انسانی مزاج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو باہمی اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ انھیں اختلافات کو ختم کرنے کے لیے عدل و انصاف کا نظام بتایا گیا ہے۔ اس نظام کا تقاضہ ہے کہ ہر سطح پر عدل و انصاف کا خاص خیال رکھا جائے حتٰی کہ گفتگو میں بھی عدل کا دامن پکڑے رکھنے کا حکم ہے۔ اسلامی معاشرت میں خدا ترسی، امانت، معاملہ فہمی، بصیرت اور صداقت سے عدل و انصاف کیا جاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> "بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو انصاف کے ساتھ کرو۔"(۱۵)

اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف کے حوالے سے امیر، غریب، حاکم و محکوم میں کوئی فرق نہیں، انصاف کے ترازو میں سب برابر ہیں۔ اسلام سے پہلے قوموں میں یہ فرق رکھا جاتا تھا کہ اگر کسی معزز شخص سے کوئی جرم ہوتا تو اس کی سزا میں نرمی برتی جاتی جب کہ وہی جرم اگر کسی غریب سے ہو جاتا تو اسے پوری پوری سزا دی جاتی۔ اسلام نے اس فرق کو ختم کیا اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں انصاف کا ترازو سب کے لیے برابر ہے۔

آج اگر ہم اپنے سماج میں نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ ہم نے اس نظام عدل کو چھوڑ دیا ہے اور اسلامی تعلیم جو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ نے دی اس سے دور ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ عدل و انصاف کے نظام نہ ہونے کی وجہ سے سماج میں بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

سماج کا تعلق انسانوں سے ہے، کیونکہ کے انسان کے بغیر سماج اور سماج کے بغیر انسان مکمل ہو ہی نہیں سکتے۔ سماج اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جب اس سماج کے بنائے گئے اصولوں پر اس سماج کا ہر فرد عمل کرے۔ کسی بھی سماج میں جتنی اہمیت مرد کو حاصل ہے اتنی ہی اہمیت عورت کی بھی ہے لیکن بدقسمتی سے عورت کو وہ مقام یا حق نہیں دیا گیا جو معاشرے کو دینا چاہیے تھا۔ **حقوق نسواں** آج کے دور کا بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے۔ کسی معاشرے کا توازن اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب اس میں عورت کو وہی مقام اور حقوق دیے جائیں جس کی وہ حق دار ہے۔ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں عورت کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا تھا۔ بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا۔ عورت سماجی حقوق سے محروم تھی۔ عورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور یہ تصور کیا جاتا تھا کہ عورت تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ لیکن اسلام نے عورت کو مساوی حقوق دیے اور ہر لحاظ سے عورت کا مقام معاشرے میں بلند کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

> "اے لوگو! اپنے پرور دگار سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔"[۱۶]

اسلام نے تاریخ میں پہلی بار عورت کو مرد کے مساوی حقوق دیے۔ یہ صرف دعویٰ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ اسلام جدید سماج کی عورت کو بھی وہی پاکی وطہارت، عزت و وقار، حقوق اور عزت نفس عطا کرتا ہے جو اس نے زمانۂ قدیم کی عورت کو عطا کیے تھے۔

اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا درجہ دیا۔ اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ خواتین کے، عائلی حقوق، معاشی حقوق، ازدواجی حقوق، انفرادی حقوق اور دیگر حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ پاک نے قرآن میں بارہا دفعہ عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے اور ان کا حق ادا کرنے پر سختی سے حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دو، ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی سے
کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو۔"[۱۷]

اسلام مساوات کا درس دیتا ہے اور اس نے مرد کی طرح عورت کو بھی تمام بنیادی حقوق دیے ہیں ،اسلام نے عورت کو اپنی پسند کی شادی کرنے کا اختیار ہے، اپنے نام جائیداد خرید سکتی ہے اور اپنی ملکیت میں رکھ سکتی ہے۔ اسے اپنے خاندان، خاوند اور دوسرے قریبی رشتے داروں سے وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ جس طرح مرد کو طلاق دینے کا اختیار ہے اسی طرح عورت کو خلع کے ذریعے نکاح تحلیل کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی عدل وانصاف اور مساوات پر ہے اس لیے یہ کیسے ممکن تھا عورت کو حقوق سے محروم رکھا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر عورتوں کو یہ حقوق دیے اور ایک مثال قائم کی۔ عورتوں کے حقوق میں سب سے اہم حق ان کی تعلیم ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے تعلیم نسواں بہت ضروری ہے، ایک پڑھی لکھی ماں ہی اولاد کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔ علم کی بدولت ہی عورتوں نے اسلامی تاریخ میں ، اسلامی دنیا میں وہ ترقیاں حاصل کی ہیں اور روحانیت کے اس درجہ تک پہنچی ہیں، جس درجہ تک اس زمانے میں ہزاروں مرد نہیں پہنچ پائے۔ اگر ہم تاریخ کا مشاہدہ کریں تو دیکھیں گے کہ ماؤں کی صحیح تربیت کی وجہ سے اولاد بڑے اونچے مقام پر پہنچی ہے۔ اگر ماں تعلیم یافتہ، نیک سیرت اور سلیقہ شعار ہے تو اس کی اولاد میں بھی انھی اوصاف سے آراستہ ہو گی اور ان کا مستقبل بھی روشن اور تابناک ہو گا۔ پڑھی لکھی اور سلیقہ مند ماں کی گود میں پرورش پائے ہوئے بچے، بڑے ہو کر نہ صرف ملک کے مہذب شہری بنیں گے اور اپنی اچھی عادات واطوار سے دوسروں کو متاثر

کریں گے، بلکہ دوسروں کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر ماں ان پڑھ، جاہل اور پھوہڑ ہے، غیر سلیقہ شعار ہے تو وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض اچھے طریقے سے انجام نہ دے سکے گی اور نہ ہی اپنے بچوں کی عادات و اطوار کو سنوار سکے گی۔ ثابت ہوا کہ عورتوں کی تعلیم اس لیے اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے بچوں کی تربیت اعلیٰ پیمانے پر نہیں کر سکتیں۔ رسول پاک ﷺ کا فرمان ہے:

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔"[۱۸]

اسلام نے اجازت دی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی بنا پر عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنا پڑے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اب یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب عورت تعلیم یافتہ ہو۔ ان پڑھ عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ عورت کے لیے بہترین اور معزز پیشہ تدریس ہے۔ اس سے معاشی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور خدمت خلق بھی ہو جائے گی۔ عورت کی تعلیم کا مقصد یہ نہیں کہ وہ بھی مردوں کی طرح فیکٹریوں میں ملازمت کرے۔ بلکہ تعلیم نسواں کا بنیادی مقصد عورت میں تعلیمی قابلیت پیدا کرنا اور اسے اس قابل بنانا ہے کہ وہ گھریلو زندگی صحیح خطوط پر استوار کر سکے۔ لیکن بدقسمتی سے آج کے اس جدید دور میں بھی عورتوں کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور سماج میں بہت سے ایسے طبقے ہیں جو ابھی بھی اس جہالت کا شکار ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ شائد عورتوں کو تعلیم دینا، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے جب کہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اسلام نے تو تعلیم حاصل کرنا فرض کیا ہے نہ صرف مردوں پر بلکہ عورتوں کے لیے بھی، اس لیے اس سماجی مسئلہ کا حل ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہو گا۔ حقوق نسواں کے حوالے سے بہت سی تحریکیں بھی چلیں لیکن حقیقت میں عورتوں کے حقوق صرف اسلام نے دیے ہیں جن سے عورت سماج میں ایک باوقار زندگی گزار سکتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو"[۱۹]

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے **فرقہ واریت** سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ دین اسلام اتحاد و اتفاق کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ جمعہ کی نماز اور عیدین کے وقت مسلمانوں کا اجماع ان کے اتحاد کی مثال ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر ایک لباس میں ملبوس لوگوں کا اکٹھا ہونا اتفاق کی ایسی مثال ہے کہ اس جیسی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام سے قبل انسانیت، رنگ و نسل اور ذات پات اور فرقوں جیسی

چیزوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتی تھی۔ اسلام کے شروع کا دور گزرنے کے بعد جب کچھ عالم لوگ آئے اور انھوں نے اسلام کی تبلیغ کی اور اپنے اپنے علم کے مطابق فتوے دئے مگر انہوں نے اپنے فتوے کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو میرے فتوے پر کوئی صحیح حدیث ملتی ہے تو میرے فتوے کو چھوڑ دو اور اللہ کے رسول کی بات مانو اور ان عالموں میں اتنا خاص اختلاف بھی نہیں تھا جتنا کہ آج کل کے مسلمانوں میں ہے۔ ان عالموں یا اماموں میں امام احمد رضا خان، امام شافعی، امام حمبل، امام مالک وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ آج کل مسلمان اپنا تعارف اپنے فرقے کی نسبت سے ہی کراتے ہیں، یہ سوچے بغیر کے یہ جائز بھی ہی یا نہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں جن مشکلات اور ذلت کا سامنا کر رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ اور اسلام سے دوری میں سب سے بڑا اسبب فرقہ واریت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرقہ واریت سے سختی سے روکا اور اسے حرام کیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے رسول کہہ دو ان لوگوں سے وہ جنھوں نے اللہ کے دین کو چھوڑ کر اور راہیں نکال لیں اور کئی گروہ ہو گئے تمھارا ان سے کچھ لینا دینا نہیں اللہ قیامت کے دن ان سے خود پوچھے گا کہ اب تک وہ کیا کر رہے تھے۔"(۲۰)

اگر وسائل اور تعداد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آج مسلمانوں کو جو طاقت حاصل ہے وہ کسی دور میں نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ساری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت کی وجہ صرف اور صرف فرقہ واریت ہے۔ اگر مسلمان قوم پر نظر ڈالی جائے تو یہ قوم نہیں بلکہ انسانوں کا ایک ہجوم دکھائی دیتا ہے کیونکہ قوم نظریہ سے بنتی ہے اور آج ہم اپنے ہی مذہب میں بھی مختلف نظریات میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ کہ ہم نے قرآن و سنت کو چھوڑ دیا ہے۔ دین میں نئی نئی بدعتیں شامل کر لیں اور فرقہ واریت کا شکار ہو گئے۔ اس سے بھی بڑی اور خطرناک بات یہ ہے کہ ہم نہ صرف نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے بلکہ ہم اپنے فرقہ کی پاسداری کے لیے ایک دوسرے کی جان تک لینے لگے ہیں۔ جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمان دل میں ایمانی جذبہ لیے اتحاد و اتفاق کے ساتھ باہر نکلے تو محض ۳۱۳ افراد نے غزوہ بدر میں دشمن کی بڑی تعداد کو شکست دی۔ وہ رومیوں اور ایرانیوں پر ان کی تمام تر طاقت کے باوجود غالب آ گئے۔ تمام دنیا ان کے قبضے میں آ گئی اور ہر ایک سے انھوں نے اپنا لوہا منوایا۔ مگر جب غزوہ احد میں ان کے اتحاد میں ذرا سی بھی لغزش آئی تو جیتی ہوئی جنگ ہارنا پڑی۔ اسی طرح جب وہ امویوں اور عباسیوں میں تقسیم ہوئے تو تاتاریوں

کے ہاتھوں شکست کھانا پڑی۔ برِ صغیر میں مسلمانوں نے ہزار سال تک حکومت کی مگر جب میر جعفر اور میر صادق جیسے غدار پیدا ہوئے تو یہ حکومت انگریزوں کے حوالے کرنا پڑی۔ آج کے دور کے مسلمان فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے جانی دشمن بن چکے ہیں۔ ہر ایک اپنے فرقے کو درست تصور کرتا ہے اور دوسرے کے فرقے کو غلط خیال کرتا ہے۔ اسی کشمکش میں مبتلا ہو کر آج ایک مسلمان اپنے ہی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ ہی اس کو بے یارومددگار چھوڑتا ہے اور جو کوئی دوسرے کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پریشانی دور کرے گا اور جو کوئی دوسرے مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا قیامت کے دن اللہ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"(۲۱)

دور حاضر میں جہاں انسان بہت سے سماجی مسائل کا شکار ہے۔ وہاں ایک اہم مسئلہ **بچوں کی تربیت کا** ہے کیونکہ بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ایک بات بالکل واضح ہے کہ جن قوموں پر زوال آیا ان کے زوال کے اسباب میں ایک بڑی وجہ بچوں کو علمی اور فکری ورثہ سے محروم ہونا تھا، اور ایسا صرف اسی وجہ سے ہوا کہ ان کی تعلیم و تربیت میں لاپرواہی برتی گئی۔ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے ایسی تعلیمات دی ہیں جن سے اسلام کے پیروکاروں کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہو۔ اسلام نے بچوں کی اعلیٰ تربیت پر بھی بہت زور دیا۔ اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی رہنمائی کی ہے۔ جو والدین اپنی اولاد کی تربیت اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کرتے ہیں اور انھیں اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتے ہیں، ان کے اولاد دنیا میں ان کی فرمانبردار اور مرنے کے بعد بھی ان کے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے برعکس جو والدین بچوں کی تربیت میں غفلت برتتے ہیں ان کی اولاد نہ صرف دنیا میں ان کی بدنامی کا سبب بنتی ہے بلکہ اگر وہ کوئی گناہ کرتے ہیں تو اس گناہ میں والدین بھی برابر کے شامل ہوتے ہیں۔ اس لیے والدین کو چاہیے کے اولاد کی پرورش پر خاص توجہ دیں اور قرآن و سنت کے مطابق ان کی پرورش کریں۔ حضور اکرم ﷺ فرمایا:

"یعنی کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی دولت نہیں دی۔"[۲۲]

تربیتِ اولاد میں سب سے پہلا اور اہم کردار ماں کا ہے۔ماں کی گود کو پہلی درس گاہ کا درجہ دیا گیا اس لیے ماں پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ماں اگر تعلیم یافتہ ہو گی تو وہ اولاد کی پرورش عمدہ انداز میں کر سکے گی۔اسلامی نقطہ نظر سے ماں کے لیے دین اور دنیا دونوں کی تعلیم ضروری ہے، تاکہ وہ اولاد کو بھی دین اور دنیا کی تعلیم دے سکے۔بیٹے کو تعلیم دینا ایک فرد کی تعلیم ہے اور بیٹی کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہے۔والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو شروع سے ہی نیکی کی طرف راغب کریں اور بھلائی کرنے کی عادت ڈالیں۔ہمارا دین سب سے زیادہ زور اخلاقیات پر دیتا ہے۔اس لیے بچوں کو تمام اخلاقی تعلیم دینا ماں، باپ کی تربیت کا لازمی حصہ ہے۔رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے ہر پہلو پر رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

## ۲۔اردو میں اصلاحی ناول کی روایت (مختصر جائزہ)

### ناول کی تعریف:

"لفظ ناول لاطینی اور اطالوی زبان میں مختلف ہیتوں سے 'نئے' کے معنی میں استعمال ہوا۔"ناول (Novel) فرانسیسی لفظ (Novella) سے مشتق ہے۔ناول کے لفظی معنی نئے کے ہیں۔کہ صنف انگریزی سے اردو میں آئی۔"انگریزی میں قصہ نگاری کو یہ نام اس لیے دیا گیا کہ اس کا انداز ہر پرانی داستان یا قصے کہانیوں کے مقابلے میں نیا تھا۔"ناول میں بالعموم ایسا قصہ بیان کیا جاتا ہے جو زندگی کی ترجمانی فنی تسلسل کے ساتھ کرتا ہے۔"[۲۳]

دراصل ناول داستان کی ارتقائی شکل ہے۔یہ مسلسل قصے کا دوسرا نام ہے۔مگر داستان اور ناول میں بنیادی فرق بے لگام تخیل، مافوق الفطرت عناصر اور پر تکلف زبان کا ہے۔کیونکہ ناول ان عناصر سے پاک ہوتا ہے۔بقول ڈاکٹر خورشید اسلام:

"ناول داستانوں کے برعکس افراد کی اندرونی زندگی میں تبدیلیوں کا مطالعہ کرتا ہے۔ناول میں مافوق الفطرت عناصر کی گنجائش نہیں۔"[۲۴]

ناول کے بارے میں کوئی حتمی تعریف متعین نہیں ہو سکی۔ مختلف نقاد کسی ایک تعریف پر متفق نظر نہیں آتے۔

ڈاکٹر ممتاز احمد خان، ناول کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"ناول دراصل طویل دورانیے کے ایسے قصے کو کہتے ہیں جس میں پورا عہد سانس لیتا نظر آتا ہے۔ اس کے کردار حقیقی ہوتے ہیں نیز یہ کہ اس میں پلاٹ کا خمیر اصل زندگی سے اٹھایا جاتا ہے۔"(۲۵)

ناقدین کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول ایسا قصہ یا کہانی ہے جس میں زندگی کے واقعات کو انتہائی دلچسپ انداز میں قاری کے سامنے لایا جاتا ہے۔ گویا زندگی اور ناول کی مثال جسم اور روح کی ہے۔ ناول زندگی کی تصویر بھی ہے اور تفسیر بھی۔ ناول ایک ایسی افادی کوشش ہے جس میں قاری خود کو ملوث کر لیتا ہے۔ اپنا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ناول نگار دراصل اسی کا قصہ بیان کر رہا ہے۔ اس لیے ناول نگار پر یہ زمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ غیر متعصبانہ رویہ رکھ کر لکھے اور اس کی تصنیف آفاقی ہو۔ اس کے برعکس اگر نول اصل حقیقت کی نقاب کشائی نہ کر سکے اور قاری کی شخصیت پر منفی اثرات ڈال کر اس کی شخصیت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے تو یہ ناول کی بہت بڑی خامی تصور ہو گی۔ اس لیے ناول کا اصل مقصد ہی زندگی کے ہمہ گیر مسائل کو افراد کے ذریعے پیش کرنا اور معاشرے کی اصلاح کرنا ہے۔

## ناول کی اقسام:

موضوعات اور کہانی کی نوعیت کے لحاظ سے ناقدین نے ناول کو مختلف اقسام میں تقسیم کیا ہے: رومانی ناول، کرداری ناول، مہماتی ناول، واقعاتی ناول، نظریاتی ناول، تاریخی ناول، جاسوسی ناول، اصلاحی ناول۔

## ڈپٹی نذیر احمد:

اردو ناول کا آغاز **نذیر احمد** کے ناول "مراۃالعروس" (۱۸۶۹ء) سے ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب فرد کی انا مجروح ہو چکی تھی۔ مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے اثرات بڑی تیزی کے ساتھ اس کی ذات پر حملہ کر رہے تھے۔ قدیم روایات اور تہذیبیں دم توڑ رہی تھیں۔ فرد کی حیثیت ایک خاموش اور بے بس تماشائی سے زیادہ نہ تھی۔ ایسے حالات میں نذیر احمد نے معاشرے کی اصلاح کے لیے قلم اٹھایا اور اصلاحی ناول لکھنے شروع کیے۔

> "ڈپٹی نذیر احمد نے اپنا پہلا ناول مراۃالعروس ۱۸۶۹ء میں لکھا۔ یہ اپنے طرز کی پہلی اصلاحی کوشش تھی جسے بہت سراہا گیا۔ اس کے بعد انھوں نے یکے بعد دیگرے کئی ناول لکھے۔ نذیر احمد نے پہلے دور میں تین ناول لکھے۔ "مراۃ العروس، بناۃ النعش، توبتہ النصوح"۔ مراۃ العروس میں لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر زور دیا۔ "توبتہ النصوح" میں بھی اولاد کی تربیت پر زور دیا۔"[۲۶]

ڈپٹی نذیر احمد نے فرد کو داستانوں اور قصوں کے میدان سے نکال کر وسیع تر میدان میں لا کھڑا کیا۔ انھوں نے کہانی کو مافوق الفطرت عناصر اور غیر حقیقی باتوں سے آزاد کیا۔ ان کے ناول اسلوبیاتی لحاظ سے سادہ، شستہ اور معلوماتی ہیں۔ جن میں مزاح کم، طنز اور سنجیدگی زیادہ ہے جو کہ اصلاحی رجحان کے لیے ضروری ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کے ناولوں میں متوسط طبقے کے مسلمان گھرانوں کے سماجی اور معاشرتی مسائل کی عکاسی کی گئی ہے۔ انھوں عام مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھتے ہوئے ان کی اصلاح کے لیے ناول لکھے۔ خاص طور پر مراۃالعروس، توبتہ النصوح میں نچلے طبقے کی گھریلو زندگی کو بیان کیا گیا ہے۔ مراۃالعروس گھریلو زندگی پر مبنی ہے۔ اس میں عورتوں کو گھریلو زندگی کے حوالے سے تعلیم دی گئی ہے۔ کیونکہ عورت ہی کے دم سے گھر جنت بنتا ہے یا پھر جہنم۔ نذیر احمد نے اس ناول میں اکبری اور اصغری کے کرداروں کے ذریعے عورتوں کے سلیقہ شعاری کا درس دیا ہے۔ اس ناول میں ایک اور سماجی مسئلہ لڑکیوں کی تربیت کو بھی خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ لڑکیوں کی تربیت سماج کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ لڑکیوں کی تربیت میں سب سے اہم چیز تعلیم ہے۔ ۱۸۵۷ء

کی جنگ آزادی کے بعد جب انگریزوں نے برِصغیر پر قبضہ کیا تو مسلمانوں کے حالات بہت خراب تھے۔ اوراس وقت ایسے لیڈروں کی اشد ضرورت تھی جو مسلمانوں کی اصلاح کرے، ایسے میں سب سے پہلے سرسید نے مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اپنے سر لیا۔ ڈپٹی نذیر احمد سرسید کے رفقامیں شامل تھے۔ وہ سرسید کی نیک نیتی اور دور اندیشی کو سمجھ گئے اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے اصلاح کے لیے کوشاں رہے۔ اسی ضمن میں پہلی کوشش "مراۃالعروس" تھی۔ متوسط طبقے کے مسلمانوں کے گھریلو مسائل کو اصلاحی رنگ میں پیش کیا۔ بقول ڈاکٹر خالد اشرف:

> "انھوں نے سماجی مسائل کو اپنے قصوں کی بنیاد بنا کر معاشرے پر تنقید اور تعمیر کی بنیاد رکھی، تمدنی مسائل پر لکھتے ہوئے نذیر احمد نے متوسط طبقے کی خانگی اور معاشرتی زندگی کے موقعوں کی جذئیات کو بڑے حقیقت پسندانہ طریقے سے موضوع بنا دیا ہے اس طرح کہ وہ اپنے ہر ناول کی بنیاد کسی نہ کسی معاشرتی، تمدنی یا مذہبی مسئلے پر رکھتے ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کے ناول ابھرتے ہوئے متوسط طبقے کی زندگی کے مختلف مسائل اور بدلتے ہوئے ردعمل کو سامنے لاتے ہیں۔"[۲۷]

ڈپٹی نذیر احمد نے متعدد ناول لکھے جس میں بناۃ النعش ۱۸۷۳ء میں لکھا جو مراۃالعروس کی ہی اگلی کڑی ہے۔ اس میں اصغری کے کردار کے ذریعے پھوہڑ لڑکی کی اصلاح کے علاوہ جدید علوم کی افادیت اور معلومات عامہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ فسانہ مبتلا ۱۸۸۵ء میں لکھا۔ اس میں ازدواج کے مسئلے پر بات کی گئی ہے۔ اس میں قدیم و جدید طرزِ تعلیم کی خرابیاں، وراثتی تقسیم میں عورتوں کی حق تلفی، عدالت اور پولیس کی دھاندلیوں اور جاہلانہ توہمات جیسے مسائل پر بھی بات کی گئی ہے۔ ابن الوقت ۱۸۸۸ء میں لکھا گیا۔ اس ناول کا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت کو ختم کرنا اور انھیں بہترین قوم کی طرف راغب کرنا تھا۔ نذیر احمد سرسید کے کام کے معترف تھے مگر مذہبی طور پر اختلاف رکھتے تھے۔ ابن الوقت، دراصل سرسید کا ہی عکس تھا جو ہندو مسلم اتحاد چاہتا ہے لیکن حالات کے پیشِ نظر مسلمانوں کی فلاح و بہبود بھی چاہتا ہے۔ ایک ایسا کردار جو انگریز تہذیب سے خاصا متاثر ہے اور اپنی ظاہر وضع بھی بدل دیتا ہے اور انگریزی لباس زیب تن کرتا ہے۔ یہ ایک خوشحال گھرانے کا پڑھا لکھا انسان ہے۔ جس نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ایک

انگریز اعلیٰ عہدیدار مسٹر نوبل کی جان بچاتا ہے جس کے بدلے میں اسے ایک بڑا عہدہ اور جاگیر دی جاتی ہے۔ناول میں ابن الوقت کے مقابل کردار حجتہ الاسلام ہے جو اسلام کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہے۔ حجتہ الاسلام قدیم روایتی طبقے کا نمائندہ ہے اور نئے ابھرتے ہوئے طبقے کی سوچ سے خفا ہے۔ دراصل حجتہ الاسلام اور ابن الوقت پرانی اور نئی تہذیب کی آویزش کی علامت ہے۔

## پنڈت رتن ناتھ سرشار:

نذیر احمد کے بعد ناول نگاری کے حوالے سے دوسرا بڑا نام **پنڈت رتن ناتھ سرشار** ہیں۔ان کو بھی ناول نگاری میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔انھوں نے متعدد ناول لکھے جن میں ،"کامنی"، "جام سرشار"، فسانہ آزاد"، "خدائی فوجدار"، "پی کہاں"، "کڑم دُھم" وغیرہ کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار کا تعلق لکھنو کی تہذیب سے تھا چنانچہ انھوں نے اپنے ناولوں میں اس تہذیب کو تمام تر خوبیوں اور خامیوں سمیت پیش کیا ہے۔ یہ وہ دور ہے جب پرانا جاگیر دارانہ نظام ختم ہو رہا تھا اور ایک نیا متوسط طبقہ ظاہر ہو رہا تھا۔ متوسط طبقہ جو زمیندار نہیں تھا اور نہ ہی جاگیر داروں کا ملازم تھا بلکہ سرکاری ملازم، وکیل، ڈاکٹر کی صورت میں موجود تھا۔ سرشار کو اس نئے معاشرے میں سرکاری ملازمت کرنے والے امراء کی اولادوں کو دیکھ کر بھی بہت دکھ ہوتا تھا کیونکہ وہ ادھوری تعلیم کے ساتھ سرکاری ملازمت کر کے اپنے مستقبل کو محفوظ کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد کا زمانہ تبدیلیوں کا زمانہ ہے۔ پرانا نظام ختم ہو رہا تھا اور نئے نظام کا آغاز ہو رہا تھا۔ تاریخ گواہ ہے جب جاگیر دارنہ نظام ختم ہوتا ہے اور صنعتی نظام (سرمایہ دارانہ نظام) کا آغاز ہوتا ہے تو متوسط طبقہ جنم لیتا ہے۔ سرشار کو اس بات کا بخوبی احساس تھا اور وہ اس کو تسلیم بھی کرتے تھے۔ پرانی اور نئی تہذیب کے درمیان ہونے والی ہلچل "فسانہ آزاد" میں دکھائی دیتی ہے۔

پنڈت رتن ناتھ سرشار نے اپنے ناولوں میں سماجی مسائل کی عکاسی کی ہے۔ان کے نزدیک سماج کی اصلاح تب ہی ممکن ہے جب معاشرے کو روایتی فرسودہ رسم ورواج سے پاک کیا جائے گا۔ جیسے ان کے ناول "کامنی" میں اپنی پسند کی شادی کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے۔ کہ جب ایک ہندوستانی لڑکی اپنی پسند کی شادی کرے تو اسے سماج میں کس قدر برا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح "کڑم دھم" ان کا تیسرا ناول ہے، اس میں بھی "کامنی" کی طرح نوشابہ بھی سماج کے فرسودہ رسم ورواج کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ نوشابہ جو ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے،

نواب چھوٹے مرزا کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہے لیکن اس کے گھر والے اس کا نکاح پھوپھی زاد بھائی سے کر دیتے ہیں۔ اس ناول میں خاندان اور سماج کی کشاکش کو پیش کیا گیا ہے۔

سماجی مسائل اور ان کی اصلاح کے حوالے سے ان کا مشہور ناول "جامِ سرشار" جس میں شراب نوشی کی لت کے انجام دکھائے گئے ہیں۔ اس ناول کا مرکزی کردار نواب صاحب ہیں جنھیں شراب کی لت پڑ جاتی ہے اور ظہوراً جیسی نچلی ذات کی عورت سے عشق کرنے لگتے ہیں۔ وہ ایک طوائف بن جاتی ہے اور نواب صاحب یہ دیکھ کر کنویں میں کود کر جان دے دیتے ہیں۔ سرشار نے ناول نگاری کے فن اور اس کی روایت کو ایسی تقویت بخشی جو آج بھی ہمارے ادب میں نمایاں ہے۔ سرشار نے صنف ناول نگاری کو حد درجہ فروغ دیا جس کی داغ بیل ڈپٹی نذیر احمد نے ڈالی تھی۔

## علامہ راشد الخیری:

اردو ادب میں اصلاحی ناول نگاری میں ایک اور بڑا نام **علامہ راشد الخیری** کا ہے۔ راشد الخیری نے بھی اپنے ناولوں سے اصلاحِ معاشرہ کا کام کیا۔ انھوں نے بھی ڈپٹی نذیر احمد کی طرح اصلاحِ نسواں کا بیڑہ اٹھایا۔ انھوں نے اپنی تقریباً سب تصانیف میں عورتوں کی پسماندگی، ذہنی کشمکش، الجھنوں، اور ان کے مسائل کو اپنا موضوع بنایا۔ انھوں نے جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی، خواہ وہ نظم نگاری ہو یا صحافت، افسانہ نگاری ہو یا پھر ناول نگاری، ان کا مقصد صرف اصلاح وتربیتِ نسواں ہی رہا۔ نجم السحر اعظمی لکھتے ہیں:

> "راشد الخیری کے پورے فن کی بنیاد نذیر احمد کی دی ہوئی اس روایت پر ہے جس کا آغاز مراۃ العروس اور بنات النعش سے ہوا۔ فرق صرف یہ ہے کہ نذیر احمد نے عورت کی اصلاح کو ایک وسیع تر اصلاحی پروگرام بنا کر پیش کیا اور راشد الخیری نے اس کی اصلاح کے ساتھ اس کی معاشی حیثیت کے بلند کرنے کا بیڑا بھی اٹھایا۔"[۲۸]

راشد الخیری متوسط طبقے میں پیدا ہوئے۔ اس طبقے کی طرز معاشرت اور زندگی کے ہر پہلو سے انھیں واقفیت تھی۔ ان کے ذاتی تجربات اور مشاہدے سے انھیں اندازہ ہوا کہ انیسویں صدی کے ابتدائی دور کی اصلاحی تحریکات کے باوجود معاشرے میں عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔ انھوں نے عورتوں کی زبوں حالی، پستی

اور ان کے مسائل کو اپناد کھ درد سمجھ کر اس کا مداوا کرنے کی کوشش کی اور نہ صرف اپنے ناولوں بلکہ تمام ادبی تخلیقات کا موضوع عورتوں کی زندگی اور ان کے مسائل کو بنایا ہے۔ انھوں نے جہاں اپنی تحریروں سے مرد کو عورت کے حقوق کی طرف متوجہ کیا وہی اس سے کہیں زیادہ عورتوں کو ان کے فرائض کی ادائیگی کی تلقین کی۔ وہ عورتوں کو صرف گھر کی چار دیواری میں محدود نہیں رکھنا چاہتے تھے۔ بلکہ پردے کے حدود کو بر قرار رکھتے ہوئے معاشرے میں ان کو باوقار مقام دلانا چاہتے تھے اور اس کے لیے ان کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنا بے حد ضروری قرار دیا۔ راشد الخیری چاہتے تھے کہ عورت کا جو مقام اسلام نے مقرر کیا ہے وہ اس کو حاصل ہو۔ وہ چاہتے تھے کہ ہماری خواتین مغرب کی خوبیوں سے فائدہ ضرور اٹھائیں لیکن اپنی مشرقیت اور انفرادیت نہ کھوئیں تاکہ ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں عورت باوقار حیثیت سے زندگی گزارے۔ راشد الخیری بنیادی طور پر مشرقی تہذیب کے پرستار تھے۔ انھوں نے ہندوستانی عورت کے لیے جو معیار زندگی تجویز کیا وہ ناقابل عمل اور خیالی نہیں بلکہ وہ مغرب کی خوبیوں کے ساتھ خالص مشرقی اور اسلامی معاشرت کو بھی قائم رکھتی ہے۔

علامہ راشد الخیری کا ناول "صبح زندگی" ۱۹۰۷ء اور "شام زندگی" ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئے۔ دونوں ناولوں میں مرکزی خیال نسیمہ ہے جس کی تعلیم و تربیت پر بات کی گئی ہے۔ اور "شام زندگی" میں نسیمہ کی شادی کے بعد کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد افضال بٹ لکھتے ہیں:

> "علامہ راشد الخیری کا ناول "صبح زندگی" ۱۹۰۷ء اور "شام زندگی" ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا۔ دونوں کا مرکزی خیال نسیمہ ہے۔ "صبح زندگی" میں نسیمہ کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ نسیمہ کی ایک پھوپھی سنجیدہ ہے۔ جو نسیمہ کی تعلیم و تربیت کے لیے استانی رکھتی ہے۔ نسیمہ کی تربیت میں اس کی پھوپھی کا خاص رول ہے۔ وہ نسیمہ کو معاشرتی سلیقہ سکھاتی ہے۔ "صبح زندگی" میں نسیمہ درج بالا تمام باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیتی ہے۔ "شام زندگی" نسیمہ کی شادی کے بعد کی زندگی پر موقوف ہے۔ شادی کے بعد وہ سسرال آتی ہے وہاں وہ سب کا خیال رکھتی ہے۔ شوہر کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑتی۔ قسیم نسیمہ کا شوہر ہے۔۔۔ اس کے بات کرنے کا انداز بہت اچھا ہے اس کے مزاج میں انسانیت کا احساس ملتا

ہے۔اس کا اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک بھی داد کے قابل ہے۔"[۲۹]

راشدالخیری مسلمان قوم میں بیدار مغز مائیں ،اور بیویاں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ان کے خیال میں مسلمانوں کی ترقی کا انحصار لڑکیوں کی تعلیم وتربیت پر ہے۔لیکن وہ قدامت پرستوں کے اس فرقے کو بھی دیکھ رہے تھے جو عورتوں کی تعلیم و تربیت کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے۔چنانچہ اس معاملے میں اس فرقے کی وحشت دور کرنے کے لیے عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے مذہبی جواز بھی پیش کرتے ہیں۔ایک جگہ نقل کرتے ہیں:

"ہمارے پیغمبر صاحب نے فرمایا ہے کہ علم ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے۔پیغمبر زادیاں اور پیغمبر صاحب کے زمانے کی عورتیں علم کا دریا تھیں۔یہ تو موٹی سی بات ہے کہ علم آدمی کو آدمی بناتا ہے۔"[۳۰]

راشدالخیری سماج کی اصلاح کے لیے تعلیمِ نسواں اور اصلاحِ نسواں کو ضروری سمجھتے تھے اور ہر مسلم عورت کو اسلام سے واقفیت کرانا چاہتے تھے۔اور چاہتے تھے کہ ہر مسلمان عورت اسلام کے بنیادی اصولوں پر عمل کرے۔ان کا ماننا تھا کہ اس کے بغیر کوئی عورت اپنی زندگی میں ترقی نہیں کر سکتی۔انھوں نے عورتوں کو پستی سے نکال کر معاشرتی سطح پر ایک اعلیٰ مقام عطا کیا۔انھیں مشرقی و مغربی علم وہنر اور تہذیب و تمدن کی خوبیوں سے آراستہ کر کے ان کے اندر ایک نیا انداز نظر، ایک نیا تصور حیات اور نئی بصیرت پیدا کی۔انھوں نے عورت کی اصلاح و بہتری کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ نا قابل فراموش ہیں۔

## رشیدۃ النساء:

اردو ادب میں اصلاحی ناول نگاری کی روایت کو دیکھا جائے تو مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بھی اس میں خاصا کردار رہے۔ڈپٹی نذیر احمد کے اصلاحی سلسلے کو آگے بڑھانے میں **رشیدۃ النساء** کا نام سر فہرست ہے۔رشیدۃ النساء اردو کی پہلی خاتون ناول نگار مانی جاتی ہیں۔ان کا ناول "اصلاح النسائ" اردو کے ابتدائی ناولوں میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔یہ ناول ۱۸۸۱ء میں ڈپٹی نذیر احمد سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔جس کے بارے میں خود مصنفہ کا کہنا ہے:

”اللہ نذیر احمد کو عاقبت میں بڑا انعام دے۔ ان کی کتاب پڑھنے سے عورتوں کو بڑا فائدہ پہنچا۔ جہاں تک ان کو معلوم تھا انھوں نے لکھا اور اب جو ہم جانتے ہیں اس کو انشااللہ تعالیٰ لکھیں گے۔ جب اس کتاب کو لڑکیاں پڑھیں گی تو مجھے خدا سے امید ہے کہ انشااللہ سب اصغری ہوجائیں گی۔ شاید سو میں ایک اپنی بدقسمتی سے اکبری رہ جائے تو رہ جائے۔“(۳۱)

”اصلاح النساء“ میں رشیدۃ النساء نے سماج میں رائج بے جا رسم و رواج اور توہم پرستی کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے بہت سی رسوم آج کے دور میں بھی جاری ہیں۔ یہ ناول ایک دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ آج بھی معاشرے میں جو غیر اسلامی رسوم رائج ہیں ان کا منبع کہاں ہے اس کی نشاندہی کرتا ہے۔

معاشرے کی تشکیل مرد اور عورت کے باہمی تعاون سے ہوتی ہے اور کوئی بھی معاشرہ اس وقت تک فلاحی اور ترقی یافتہ معاشرہ نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواتین کو وہ حقوق حاصل نہ ہوں جن کے بغیر سماجی فرائض حقیقی معنوں میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قوم و معاشرے کی فلاح و ترقی میں خواتین کی تعلیم کا بہت اہم کردار ہوتا ہے اس لیے اسلام نے خواتین کے لیے علم کو نہ صرف ان کا حق بلکہ اس کے حصول کو ”فرض“ قرار دیا ہے۔ جس قوم کی خواتین تعلیم یافتہ ہوتی ہیں اس قوم کے مرد بھی پڑھے لکھے ہوتے ہیں۔ بچے کی اولین معلمہ ہونے کی حیثیت سے عورت کی تعلیم و تربیت مردوں کی تعلیم سے بھی زیادہ اہم ہے۔ نسلوں اور قوموں کی تعمیر و تشکیل کا تمام تر انحصار خواتین کی تعلیم و تربیت پر ہے۔ ان کے خیال میں صرف پڑھا دینا ہی تعلیم نہیں بلکہ زندگی کے متعلق نئی نئی باتوں سے آگاہ کرنا، سلیقہ، آداب، اخلاق اور تمیز کی باتوں سے بھی خواتین کو روشناس کرانا ضروری ہے۔ تب ہی شخصیت کی تعمیر اور ملک و قوم کی ترقی ممکن ہے۔ تعلیم و تربیت کے حوالے سے کہتی ہیں:

”فقط لکھنا پڑھنا ہی تو لڑکیوں کے حق میں نہیں بلکہ اچھی بات بھی تو سیکھنا چاہئےاور صوفی صاحب کے مکتب میں پڑھنے کے علاوہ اچھی باتوں کی تعلیم بھی تو ہوتی ہے (اس کو تربیت کہتے ہیں)۔“(۳۲)

یہ بات بالکل سچ ہے کہ "مراۃ العروس" کو جو شہرت ملی وہ "اصلاح النسا" کو نہ مل سکی لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی اہمیت کی ضامن ہیں۔ ایک تو یہ کہ اردو میں ایک خاتون کا لکھا ہوا ناول ہے۔ دوسرا رسم و رواج کے حوالے سے اتنی تفصیل اور کہیں نہیں ملتی ہے اور تیسرا اردو میں کسی مسلمان خاتون کا یہ پہلا ناول ہے۔ رشیدۃ النسائیگم کی گھریلو زندگی پر بڑی گہری نظر تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے مشاہدات سے پورا فائدہ اٹھایا اور اپنے ناول میں جزئیات نگاری اور کردار نگاری میں توازن برقرار رکھا اور جو کردار پیش کیا ہے وہ اسی آب و گل اور ہمارے معاشرے کے جیتے جاگتے کردار ہیں اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ یہ کردار فطری ہیں۔ اس کے برعکس مولوی نذیر احمد نے جو کردار پیش کیے ہیں وہ آئیڈیل ہیں اور ایسے کردار ہمارے معاشرے میں عام طور پر ملنا ناممکن ہیں اور ان کے کرداروں میں حرکت اور زندگی کی چہل پہل نہیں۔ ان کے اکثر کردار بالکل جامد معلوم ہوتے ہیں۔

رشیدۃ النسابیگم کی ایک منفرد حیثیت ہے۔ انھوں نے نچلے طبقوں کے بے شمار کردار پیش کیے ہیں اور ان کرداروں کی اپنی انفرادی حیثیت ہر حال میں برقرار رہتی ہے۔ اس کے برعکس مولوی نذیر احمد کے یہاں نچلے طبقے کے اتنے کردار نہیں ملتے ہیں۔ رشیدۃ النسابیگم چونکہ مولوی نذیر احمد سے متاثر ہوئی لیکن کہیں بھی ان کے ناول سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ انھوں نے مولوی صاحب کا چربہ کیا ہو۔ انھوں نے ناول کے حوالے سے خواتین لے لیے رہ ہموار کی اور اسی موضوع اور ڈپٹی نذیر احمد کی طرز پر ناول لکھ کر عورتوں کو ایک حوصلہ بخشا۔

## منشی پریم چند:

اردو ناول میں کسی نہ کسی طرح سے اصلاحی پہلو ہر دور میں شامل رہا ہے۔ اس حوالے سے طبقاتی کشمکش اور امیر و غریب کی زندگی کے فرق اور ان کے سماجی مسائل کے حوالے سے اہم نام **منشی پریم چند** کا ہے۔ انھوں نے زندگی اور ادب کے درمیان توازن پیدا کیا۔ پریم چند کے ناولوں میں ہندوستانی تاریخ رقم ہے۔ ان کے ابتدائی دور کے ناولوں میں "بیوہ"، "بازارِ حسن" اور "جلوہ ایثار" شامل ہیں۔ ان ناولوں میں جذبہ حب الوطنی اور ہندو معاشرت اور اس کے رسوم و رواج کو پیش کیا گیا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں پریم چند کی ناول نگاری نئے عہد میں داخل ہوتی ہے۔ اس دور کے نمایاں ناولوں میں "نرمِلا"، "پردہ مجاز"، "گوشہ عافیت"،

"غبن اور میدانِ" عمل شامل ہیں۔ پریم چند نے ان ناولوں میں طبقاتی کشمکش، سماجی حالات، اقتصادی مسائل ،جاگیر داروں کی پر تعیش زندگی اور کسانوں پر ہونے والے، ان کے مظالم کی تصویر کشی کی ہے۔

جاگیر داری نظام کی ناانصافی سے ایک مدت تک کسان بے خبر رہے۔ وہ زمیندار کو اپنی جان ومال کا مالک تصور کرتے رہے اور جبر کی چکی میں پستے رہے مگر کبھی زبان پر شکایت نہ لاتے تھے۔ پریم چند نے اپنے ناولوں کے ذریعے ایسے پسے ہوئے طبقے کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ان کا کیا حق ہے اور وہ خود کو اس غلامی سے نکالیں۔ ان میں یہ شعور پیدا کیا کہ جس طرح جاگیر داروں کے بچوں کا حق ہے کہ وہ عمدہ تعلیم حاصل کریں اسی طرح عام کسانوں کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ ان کی اولاد بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور یہ نسل در نسل غلامی کے تصور کو ختم کیا جائے۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ معاشرے میں موجود ہر فرد کو اس کے حقوق کا پتا ہو۔

منشی پریم چند نے اس طبقاتی تفریق کو اپنے ناولوں سے واضح کر کے عام کسانوں اور مزدوروں کے حق کے لیے آواز بلند کی۔ پریم چند کا اپنا تعلق بھی ایک متوسط گھرانے سے تھا اس لیے وہ اس طبقے کے مسائل سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے اس کے علاوہ دیہی اور شہری زندگی کو بھی اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ اسی طرح اپنے ناول "میدانِ عمل" میں پریم چند مزدوروں اور کسانوں میں طبقاتی شعور پیدا کرتے ہیں اور انھیں موجودہ دور کی حقیقتوں سے آشنا کرتے ہیں اور انھیں یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ عمل ہی انھیں حقیقی خوشیوں سے ہمکنار کر سکتا ہے۔

## بانو قدسیہ:

قیام پاکستان کے بعد بہت سے ناول نگار سامنے آئے لیکن زیادہ تر کا موضوع تقسیم ہند اور اس میں ہونے والی تباہ کاریاں ہی تھی اگر اصلاحی نقطہ نظر سے بات کی جائے تو قیام پاکستان کے بعد جو سب سے اہم نام سامنے آتا ہے وہ **بانو قدسیہ** کا ہے۔ بانو قدسیہ پاکستان کی مشہور مصنفہ ہیں انھوں نے افسانوں اور ناول کے علاوہ ریڈیو، اسٹیج اور ٹیلی ویژن کے لیے متعدد ڈرامے بھی تحریر کیے۔ بانو قدسیہ کا مشہور ناول "راجہ گدھ "۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ اس ناول کا موضوع رزق حلال اور حرام کا مسئلہ ہے۔ انفرادی سطح پر فرد اور اجتماعی سطح پر

معاشرہ اخلاقی اور روحانی زوال سے اس لیے دوچار ہے کہ رزقِ حرام کو فروغ مل رہا ہے۔ اپنے ناول کے بارے میں خود مصنفہ فرماتی ہیں:

"میں نے اپنے ناول میں یہی کہنا چاہا ہے کہ اگر ہم مغرب کے اثرات سے نکل کر رزقِ حلال کے عادی ہو جائیں تو صرف اسی ایک تبدیلی کے زیر اثر ہماری معاشرتی زندگی سے تمام خرابیاں دور ہو سکتی ہیں کیونکہ انسانی زندگی میں ان تمام بے چینیوں کا سبب جو بالآخر لوگوں کو جرائم اور خود کشی کی طرف مائل کرتا ہے رزقِ حرام ہے۔ میں نے ناول میں رزقِ حرام کے مختلف روپ دکھائے ہیں۔ زنا بھی اسی کا ایک روپ ہے۔ جو انسان کو آخر کار مایوسی اور ناکامی کے اندھیرے میں دھکیل دیتا ہے۔"[۳۳]

بانو قدسیہ کی اس وضاحت سے یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک اخلاقی ناول ہے اور اس کا مقصد لوگوں میں رزقِ حلال کی اہمیت کو اجاگر کرنا اور رزقِ حرام کے لیے نفرت پیدا کرنا ہے۔ اس ناول میں حلال اور حرام کا مسئلہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ موجودہ دور میں حرام کو جیسے فروغ مل رہا ہے تو پورا معاشرہ ہی اس کی لپیٹ میں آگیا ہے۔ ناول میں پیش کردہ کہانی کا جائے وقوع پاکستان ہے۔ پاکستان کے قیام کے بعد جو معاشرہ پروان چڑھا اس کی بنیاد مادیت پر رکھی گئی۔ اس ناول میں جو کہانی پیش کی گئی وہ پاکستان کی موجودہ صورتحال کی عکاسی کرتی ہے لیکن ہم اسے صرف پاکستان سے مخصوص نہیں کرسکتے۔ بانو قدسیہ نے ناول کو چار حصوں میں تقسیم کیا، ہر حصے کے الگ عنوانات قائم کیے۔ ہر حصے میں ایک نئے کردار سے تعارف ہوتا ہے۔ قیوم جو ناول کا مرکزی کردار ہے، شروع سے آخر تک موجود ہے باقی کردار ناول کے کسی ایک حصے میں آتے اور چلے جاتے ہیں۔

اس ناول کا اہم فنی پہلو کردار نگاری کے علاوہ اس کی زبان ہے۔ مصنفہ نے زبان کے استعمال میں اس تصور کا خیال رکھا ہے کہ وہ عہد کے تجربے سے زبان کو قریب رکھیں۔ اس ناول کا عہد ۴۷ء کے بعد کا زمانہ ہے۔ اس عہد کو پیش کرنے کے لیے وہی زبان استعمال ہوئی ہے جس سے اس عہد کی نمائندگی ہو سکے۔ ناول کے سارے کردار جو زبان بولتے ہیں اور جن اشیا کا ذکر کرتے ہیں سب ہی اس مادی معاشرے کی تصویر پیش کرتے ہیں جس کا نام جدید زندگی ہے۔

# حوالہ جات


۱. رفاقت جاوید سے راقم کا انٹرویو

۲. ایضاً

۳. ایضاً

۴. ایضاً

۵. ماہنامہ پاکیزہ، نومبر ۲۰۱۵ء

۶. رفاقت جاوید سے راقم کا انٹرویو

۷. ایضاً

۸. ایضاً

۹. ایضاً

۱۰. ماہنامہ پاکیزہ، نومبر ۲۰۱۵ء

۱۱. نگینہ جبیں، اُردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، کیشو پرکاش پبلی کیشنز، لہ آباد، ۲۰۰۲ء، ص:۲

۱۲. Webster's new illustrated dictionary, allans frderick kullen Reinst, books, INC, publishers New York Washington, D.C 1970, page 628

۱۳. القرآن، "سورۃ الحدید" آیت نمبر ۵۷/۲۵، تاج کمپنی، لاہور

۱۴. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/۱۳۵، تاج کمپنی، لاہور

۱۵. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/۵۸، تاج کمپنی، لاہور

۱۶. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/۰۱، تاج کمپنی، لاہور

۱۷. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/۰۴، تاج کمپنی، لاہور

۱۸. سنن ابن ماجہ

۱۹. القرآن، "سورۃ ال عمران" آیت نمبر ۰۳/۱۰۳، تاج کمپنی، لاہور

۲۰. القرآن، "سورۃ انعام" آیت نمبر ۰۳/۱۰۳، تاج کمپنی، لاہور

۲۱. صحیح مسلم، جلد:۲، ص:۳۱۷
۲۲. امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، (مترجم علامہ بدیع الزماںؒ) جلد اول، اپریل ۱۹۸۸
۲۳. نگینہ جبیں، اردوناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، کیشو پرکاش پبلی کیشنز، الہ آباد، ۲۰۰۲ء، ص ۱۴
۲۴. خورشید اسلام، ڈاکٹر، تنقیدیں، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء، ص ۸۵
۲۵. ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردوناول، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء، ص ۳۹
۲۶. صالحہ زرین، ڈاکٹر، اردوناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک، سرسوتی پریس الہٰ آباد، ۲۰۰۰ء ص ۶۴
۲۷. خالد اشرف، ڈاکٹر، برِصغیر میں اردوناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۹
۲۸. نجم السحر اعظمی، علامہ راشد الخیری شخصیت اور ادبی خدمات، کلر پریس، دہلی، اکتوبر ۲۰۰۰ء ص ۶۹
۲۹. محمد افضال، ڈاکٹر، اردوناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص ۴۶، ۴۷
۳۰. علامہ راشد الخیری، صبح زندگی، دُرویش پریس دہلی، ۱۹۱۸ء، ص ۶۰
۳۱. اصلاح النساء، رشیدۃ النساء، خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۲۰۰۷، ص: ۱۶۲
۳۲. ایضاً، ص: ۱۴۰
۳۳. نیلم فرزانہ، اردو کی اہم خواتین ناول نگار، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء، ص ۳۱۰-۳۰۹

باب دوّم:

# رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے تناظر میں عائلی زندگی کے مسائل کی پیش کش

کسی بھی انسانی گروہ، برادری، قبیلہ، دیہی یا شہری آبادی، صنعت و تجارت یا ملازمت پیشہ افراد کے مجموعے کو معاشرہ، سوسائٹی، اجتماع یا سماج کہا جاتا ہے۔ سماج یا معاشرہ ہمارے چاروں طرف موجود ہے۔ انسان زندگی کے تمام معاملات میں جہاں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، وہی سماجی تعلقات کا بھی محتاج ہے۔

معاشرے کے حوالے سے ابن خلدون لکھتے ہیں:

"افراد انسانی کا اکھٹے مل جل کر رہنا ایک ناگزیر امر ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جسے اہل علم اس طرح بیان کرتے ہیں کہ انسان پیدائشی طور مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔"[۱]

اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے انسان فطرتاً اجتماعیت پسند ہے اور اکیلا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس لیے معاشرہ اور انسان لازم وملزوم ہیں۔ چونکہ معاشرہ افراد سے ہے اس لیے افراد براہ راست معاشرے پر اور معاشرہ افراد پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کسی بھی معاشرے پر بہت سی چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں جن میں مذہب، سیاست وغیرہ شامل ہیں اسی طرح بعض شخصیات بھی معاشرے پر براہِ راست اثر انداز ہوتی ہیں۔ پاکستانی معاشرے کی بنیاد مذہبِ اسلام پر قائم کی گئی ہے۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی مہیا کرتا ہے جو ہر دور کے لیے موثر ہے۔ اسلام نے وہ تمام قوانین وضع کر دیے ہیں جن پر عمل کر کے ایک پر امن معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور کو عروج وترقی اور تہذیب و تمدن کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اس ترقی نے انسان کو وہ سہولتیں اور آسانیاں میسر کی ہیں جن کا دو صدیوں پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، لیکن اسی ترقی نے معاشرے میں بہت سی غلط فہمیاں بھی پیدا کر دی ہیں جن سے بہت سے معاشرتی مسائل نے جنم لیا ہے۔ اس مادی ترقی کو ہی انسان نے اپنی معراج سمجھ لیا ہے اور خدا اور اس کے انبیاء کی نصیحتوں کو نظر انداز کر دیا جس کے باعث آج انسان ترقی یافتہ ہونے کے باوجود بے قرار اور بے چین ہے۔ خالق فطرت نے انسانی فطرت کے

لیے جو نظام تجویز کیا انسانیت کے خداؤں نے اس نظام کو پس پشت ڈال دیا۔ انبیائے کرام نے وحی الٰہی کی روشنی میں انسانی قافلے کے لیے جو شاہراہ متعین کی تھی، دور جدید میں انسان اس شاہراہ سے بھٹک گیا ہے جس کی وجہ سے انسان فلاح کی بجائے تباہی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اسلامی نظام کا مکمل طور پر عملی نفاذ ہی بھٹکی ہوئی انسانیت کو راحت وسکون عطا کر سکتا ہے۔ معاشرتی بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے معاشرے کی اصلاح انہی اصولوں پر کی جاسکتی ہے جس کی بنیاد چودہ سو سال پہلے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے رکھی۔ اسلامی فکر کے تحت ہی معاشرتی مسائل کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہدایت ہے جس میں انسان کے لیے رہنمائی اور دنیوی اور آخری کامیابی کا راز پوشیدہ ہے۔ سطح زمین پر کوئی ایسا نظام موجود نہیں جو دین اسلام کا بدل ہو سکے کیونکہ خدا کی ذات نے خود اسے انسانی فطرت کے مطابق ناپ تول کر تجویز کیا ہے۔ اسلام نے معاشرے میں توازن پیدا کرنے کے لیے تمام انسانوں کے حقوق وضع کر دیے ہیں اور ہر انسان کی ذمہ داریوں کا تعین بھی کر دیا ہے تاکہ تمام انسان معاشرے کی فلاح کے لیے موثر کردار ادا کر سکیں۔ موجودہ دور میں سماجی مسائل اور بگاڑ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض سے غافل ہو چکا ہے، یہی غفلت نئی نسل کی تربیت پر بھی گہرا اثر ڈال رہی ہے۔

زندگی کی بنیاد احساس اور شعور پر ہے اگر احساس اور شعور باقی نہ رہے تو اسے موت سے تعبیر کیا جائے گا، کسی قوم کے زندہ ہونے کی دلیل بھی اس کے ہر فرد میں ذمہ داریوں کے شعور سے ہی ہے۔ وہی قوم زندہ کہلائے گی جس کا ہر فرد اپنے فرائض کا احساس اور شعور رکھتا ہو گا، کسی بھی قوم میں جب افراد اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کرتے ہیں تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور بہت سے معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں، جن کے ہماری زندگیوں پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اسلام ایک مکمل نظام زندگی فراہم کرتا ہے کیونکہ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے، موجودہ دور میں بھی کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل اسلام نہ بتاتا ہو۔ بنیادی طور پر ان مسائل کی اصل وجہ ہی اسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔ خدا کے بنائے ہوئے نظام کو چھوڑ کر انسان نے خود اپنے بنائے ہوئے نظام کی پیروی شروع کر دی جس سے انسان مختلف طبقات میں بٹ گیا اور اس نظام میں ذاتی خواہشات کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

خالق کائنات نے انسان کی اصلاح کے لیے ہر دور میں انبیاء کو بھیجا جنھوں نے انسان تک خدا کا پیغام باہم پہنچایا۔ انبیاء کا سلسلہ نبی اکرم ﷺ پر آکر ختم ہوا اور اللہ کے آخری نبی ﷺ نے بتا دیا کے آج اللہ کا

پیغام مکمل ہو گیا اور انسان کی ہدایت کے لیے جس مذہب کو چنا گیا وہ اسلام ہے، اسلام میں دو چیزیں موجود ہیں ایک کلام الٰہی (قرآن مجید) اور دوسرا سنت رسول ﷺ جس کی پیروی کر کے انسان قیامت تک فلاح حاصل کرتا رہے گا۔

اسلام نے ایک مسلمان پر صرف اپنی اصلاح کی ذمہ داری عائد نہیں کی بلکہ اپنے خاندان، اہل و عیال اور عزیز و اقارب کی ذمہ داری بھی ڈالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء انسانوں کی ہدایت کے لیے آئے اور انھوں نے اپنی دعوت و اصلاح کا آغاز اپنے خاندان سے کیا، اور اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

"بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے "[۲]

حضرت محمد ﷺ کی طرح تمام انبیاء کا طریقہ کار بھی یہی رہا ہے کہ انھوں نے تبلیغ کا آغاز اپنے گھر والوں سے ہی کیا اور اپنے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال کی تربیت پر خاص توجہ دی ہے، اسلام نے اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ اپنے اہل و عیال کی اصلاح کے اصول بھی وضع کر دیے ہیں جن پر عمل کر کے ہر انسان اپنی اور اپنے خاندان کی اصلاح کر سکتا ہے۔ اسلام ایک مکمل دین ہے اور اس میں ہر صنف، طبقے، پیشے، نسل وغیرہ کے لیے ہدایت موجود ہے اسی طرح سے اسلام نے ایک سماج کو تشکیل کرنے کے لیے، معاشی، معاشرتی، سیاسی، مذہبی اور اخلاقی قوانین بالکل واضح کر دیے ہیں۔

## ا۔ عائلی نظام:

کسی بھی معاشرے میں جہاں سیاست، مذہب بہت اہمیت کے حامل ہیں وہاں عائلی نظام کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ عائلی نظام سے مراد وہ نظام ہے جس کے اصول و قوانین کو مدِ نظر رکھ کر خاندان کی تشکیل ہوتی ہے۔ اس نظام کے تحت سب سے پہلا خاندان جو وجود میں آیا وہ حضرت آدمؑ کا تھا۔ اس کی بنیاد حضرت آدمؑ نے اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کے مطابق رکھی اور اسی خاندان سے آگے مزید خاندان تشکیل پاتے رہے۔ اس اعتبار سے تمام بنیادی طور پر تمام خاندانوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان
سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا
دیے۔"[۳]

عائلی نظام زندگی میں بنیادی حیثیت میاں اور بیوی کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح انسان کو زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح عائلی نظام زندگی میں بھی جگہ جگہ انسان کو رہنمائی کی ضرورت ہے تا کہ وہ معاشرے میں انفرادی طور پر بھی اور ایک خاندان کی حیثیت سے بھی اپنا کردار ادا کر سکے۔ اسلام نے نہ صرف عائلی نظام پر زور دیا ہے بلکہ اس کے طور طریقوں کے بارے میں بھی تفصیل سے بتا دیا ہے۔ اگر ہم عائلی نظام کے ان اصولوں پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں تو نہ صرف اپنے خاندان کو مسائل سے بچا سکتے ہیں جو بلکہ معاشرے کو بھی ان مسائل سے پاک کر سکتے ہیں جن کی وجہ سے کوئی بھی معاشرہ عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام نے عائلی نظام کی وضاحت کرتے ہوئے خاندان کے ہر فرد کے حقوق اور ذمہ داریوں کو واضح کر دیا ہے اور نہ صرف بیان کر دیا ہے بلکہ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ کی زندگی اور آپ کے خاندان کی شکل میں ایک عملی نمونہ بھی پیش کر دیا ہے۔ جہاں اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کر کے ہم ایک مثالی عائلی نظام تشکیل دے سکتے ہیں وہیں ان اصولوں کا انحراف بہت سے مسائل کو بھی جنم دیتا ہے۔ اسلام سے دوری ہی عائلی زندگی کے مسائل کی بنیادی وجہ ہے۔ عائلی نظام میں سب سے زیادہ اہمیت میاں، بیوی کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کی ذمہ داریاں بھی سب سے زیادہ ہیں اور اگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داری میں لاپرواہی برتتے تو اس کا اثر براہِ راست ان کے خاندان پر پڑتا اور کسی طرح سے معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ اسلام نے عائلی زندگی میں ہر ارکان کے حقوق اور ذمہ داریاں اس طرح سے واضح کر کے بیان کیا ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو ایک پرسکون اور خوشگوار خاندان تشکیل پا سکتا ہے اور ایسا نظام ہی معاشرے کو قیمتی گوہر دے سکتا ہے. شادی سے پہلے اور بعد کے مراحل سے لیکر میاں بیوی کے حقوق، اولاد کے حقوق، والدین کے حقوق حتیٰ کہ ہمسائے کے بھی حقوق اس طرح فرزند آدم کے سامنے پیش کیا ہے کہ ان پر عمل ایک پر امن و پر سکون معاشرے کی ضمانت دیتا ہے۔ اسلام میں عائلی زندگی میں خاندان کے ارکان کی فکری و روحانی تربیت پر بھی زور دیا گیا ہے۔ عائلی نظام یا خاندانی نظام کو معاشرے میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ کیونکہ انسان خاندان میں ہی پہلی مرتبہ اجتماعی طور پر رہن سہن کا سلیقہ سیکھتا ہے۔

اسلام ایسے معاشرے کی تشکیل کو ترجیح دیتا ہے جس کی بنیاد عبادات، ایمانیات، معاملات اور اخلاقیات پر قائم کی جائے۔ ان عناصر پر عمل کرنے کا طریقہ خدا نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے

انسانوں تک پہنچایا ہے۔ اسلامی معاشرے کا اپنے افراد سے تقاضہ ہے کہ وہ ان اصولوں پر عمل کر کے معاشرے کی تشکیل کریں۔ معاشرے میں موجود افراد کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری، اسلام خاندان کو ہی سونپتا ہے، تمام خاندان اپنے افراد کی تعلیم وتربیت اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کریں۔ اسلام عائلی نظام کے لیے جن اصولوں کو ترجیح دیتا ہے ان میں سب پہلے خالص نیت ہے۔ کسی خاندان کی تشکیل کے لیے سب سے بنیادی اور پہلا عنصر اللہ پر خالص ایمان اور رضا الٰہی کو حاصل کرنا ہے۔ جب کوئی ایسا انسان جو خدا پر ایمان رکھتا ہو گا اور وہ کسی خاندان کی تشکیل چاہے گا تو یقیناً وہ یہ چاہے گا کہ خدا کی خوشنودی اور رضا کے ہی لیے خاندان تشکیل کرے۔ کیونکہ یہ خدا پر ایمان کا ہی تقاضا ہے کہ ایک انسان خاندان تشکیل کرے اور خاندان کے افراد کی کفالت اور تعلیم وتربیت اسلامی اصولوں پر کر کے ان کو سماج کے لیے مفید بنادے۔ کیونکہ خدا کی رضا کے حصول سے انسان کی نیت خالص ہو جاتی ہے، اور خدا کے نزدیک اعمال کی پرکھ نیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ خدا کی رضا کا حصول اور نیت کے خالص ہونے کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی اسلام نے تمام اعمال کا دارومدار نیت کو ہی قرار دیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اگر نیت خالص ہو گی تو ہر عمل اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو گا اور اس کے برعکس اگر نیت میں کوئی بگاڑ، برائی ہو گی تو عمل جتنا بھی اچھا ہو گا رد کر دیا جائے گا۔ خاندان کی تشکیل کے لیے خالص نیت کے بعد سب سے اہم شرط اسلام کی طرف سے نکاح کی ہے۔ اللہ پاک نے انسان کی بقا اور انسانی نسل کو آگے بڑھانے کے لیے انسان کے اندر مختلف داعیات رکھی ہیں ان میں سے ایک مرد و عورت کا ایک دوسرے کی طرف میلان ہے۔ جو انسان کی بقا کے لیے بہت ضروری ہے لیکن اگر اس میلان کو درست راستہ دکھایا جائے، اس میلان کو اگر آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان حیوان سے بھی بدتر ہو جائے گا اور اگر دبا دیا جائے تو انسانیت دب جائے گی۔ اس حوالے سے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"صنفی میلان کا دبنا دراصل انسانیت کا دبنا ہے۔ وہ اکیلا نہیں دبے گا بلکہ اپنے ساتھ انسان کی ذہانت، قوت عمل، عقلی استعداد، حوصلہ و عزم اور ہمت و شجاعت سب کو لے کر دب جائے گا۔ اس کے دبنے سے انسان کی ساری قوتیں ٹھٹھر کر رہ جائیں گی۔ اس کا خون سرد اور منجمد ہو کر رہ جائے گا۔ اس میں ابھرنے کی کوئی صلاحیت باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ انسان کی سب سے محرک طاقت یہی صنفی طاقت ہے۔"[۴]

ایک صالح معاشرے کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کے اس داعیہ کو اعتدال میں رکھا جائے اور اس کے لیے اسلام نے نکاح کا راستہ بتایا ہے۔ جس سے انسان کے صنفی میلان کو اعتدال میں رکھا جا سکتا ہے اور اسی سے ہی خاندان کا ادارہ مضبوط اور محکم ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر مرد او عورت کے تعلق کو اسی طرح فروغ دیا جائے جیسے خدا نے حکم دیا ہے تو ہی خاندان اور معاشرے کو بچایا جا سکتا ہے ورنہ اس کے علاوہ تمام راستے تباہی کے طرف ہی جاتے ہیں۔ چونکہ کسی بھی خاندان کی بنیاد میاں اور بیوی سے ہے اور سب سے اہم کردار بھی کسی خاندان میں میاں، بیوی ہی ہیں نکاح سے یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص ہو جاتے ہیں اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ نکاح کے بعد دونوں، میاں اور بیوی پر ایک دوسرے کے حقوق لازم ہو جاتے ہیں جس ایک نیک خاندان کی بنیاد پڑتی ہے۔ انسان فطری طور پر یہ خواہش رکھتا ہے کہ اس کا کوئی وارث ہو یا مرنے کے بعد بھی کوئی اس کا نام لیوا موجود ہو اور اسی لیے انسان اولاد کی پرورش کے لیے ہر طرح کی تکالیف کو برداشت کرتا ہے۔ نکاح کے بعد اسلام سب سے زیادہ زور ذمہ داریوں پر دیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قابلیت کی بنا پر مرد اور عورت پر ذمہ داریاں عائد کر دی ہیں۔ جن کو پورا کرنا دونوں کے لیے لازم ہے اور اسی سے ایک عمدہ خاندان کی تشکیل کی جا سکتی ہے کیونکہ خاندان ہی کسی معاشرے یا سماج کی بنیادی اکائی ہے۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں ہو گا کہ تشکیل خاندان کا اہم مقصد نسل انسانی کی بقاء ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کا دنیا سے سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے لیکن مرنے کے بعد بھی نیک اولاد اپنے والدین کے لیے دعا کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اس حوالے سے صحیح مسلم کی حدیث پاک ہے:

> "حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو تین اعمال کے علاوہ تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جائے یا نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔"(۵)

اس حدیث پاک سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نکاح کا سب سے اہم مقصد نسلِ انسانی کی بقا ہے۔ اور اس حدیث پاک سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ نیک اولاد یعنی وہ اولاد جن کی تعلیم و تربیت اسلامی اصولوں پر کی گئی ہو گی۔ کسی خاندان کی تشکیل میں اسلامی فکر کے تحت سب سے اہم چیز نکاح ہے،

نکاح ہی وہ اسلامی ذریعہ ہے جس میں اللہ کی رضا سے میاں اور بیوی ایک خاندان کی بنیاد رکھتے ہیں۔ اسلام تشکیل خاندان کو عمدہ اور موثر بنانے کے لیے ذمہ داریوں کو تقسیم کرتا ہے۔ اللہ اس کائنات کا خالق ہے اور تمام مخلوق اسی کی تخلیق ہے اس لیے وہ تمام مخلوقات کی قابلیت کو بہتر جانتا ہے اس لیے اس نے انسان کی قابلیت کے لحاظ سے مرد اور عورت کی ذمہ داریوں کو تقسیم کر دیا تاکہ ایک متوازن خاندان تشکیل پا سکے اور متوازن خاندان سے ہی ایک متوازن معاشرے کا قیام ممکن ہو سکتا ہے۔ اسلام میاں اور بیوی کے حقوق کو بالکل واضح بیان کرتا ہے اگر دونوں ان حقوق کی پاسداری کریں تو معاشرہ بہت سے مسائل سے بچ سکتا ہے۔ اللہ نے مرد کو خاندان کا سربراہ بنایا ہے اور اسے اپنے بیوی، بچوں کا نگہبان بنایا ہے، اسے ذمہ داری دی ہے کہ وہ اپنے خاندان کی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کوشش کرے۔ اسی طرح بیوی یعنی عورت پر ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ شوہر کی فرمانبردار اور مطیع رہے، اور اس کی عدم موجودگی میں گھر کی حفاظت کرے اور اولاد کی تربیت اور دیکھ بھال کرے۔ اللہ پاک نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"پس جو صالح عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔"[٦]

اسلام جس خاندان کی تشکیل کا حکم دیتا ہے اس میں ہر فرد کی ذمہ داریاں اور حقوق کو بھی وضع کرتا ہے۔ چونکہ خاندان ہی کسی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اس لیے اگر خاندان کا ہر فرد اپنے فرائض کی ادائیگی احسن طریقے سے کرے تو ایک مثالی معاشرے کا قیام ممکن ہے۔ مسلمان قوم کے زوال کی سب بڑی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ موجودہ دور میں مسلمان معاشرہ متعدد مسائل کا شکار ہے جن کا تعلق اسلامی اصولوں سے انحراف ہے۔ عائلی نظام میں اسلامی تعلیمات سے دوری سے پیدا ہونے والے مسائل براہ راست معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ پاکستان چونکہ اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے لہذا اس معاشرے کے تمام قوانین بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ترتیب پاتے ہیں۔ پاکستانی معاشرہ بھی ان مسائل کا شکار ہے جو اسلامی تعلیمات سے ہٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے سب سے ضروری چیز خدا خوفی ہے، خدا کا خوف دل میں ہو گا تو ہی انسان اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے ادا کر سکتا ہے اور معاشرے کے ہر معاملے میں عدل سے کام لے سکے گا۔ اگر معاشرے کا ہر فرد اپنے فرائض کو خدا خوفی کے ساتھ ادا کرے تو معاشرے میں کوئی مسئلہ پیدا ہی نہ ہو، لیکن انسان فطری طور پر خطا کار ہے اس لیے اسے ہر

دور میں رہنمائی کی ضرورت رہی ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لیے اللہ نے انبیاء بھیجے جو انسان کی رہنمائی کرتے رہے۔

کسی معاشرے میں جس طرح مذہب معاشرے کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح ادب بھی معاشرے کے مسائل کی عکاسی کرتا ہے اور معاشرے کے افراد کو آئینہ دکھاتا ہے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔ اردو ادب میں بھی معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے ادیبوں اور شاعروں کا ایک اہم کردار ہے، صوفی شعراء نے اپنی شاعری سے لوگوں کے دلوں کو توحید کی طرف موڑا ہے اور شاعری کے ذریعے انسانوں کو خدا اور رسول کی اطاعت کی ترغیب دی ہے اسی طرح ادب کی ہر صنف میں اصلاحی پہلو موجود ہے۔ ناول اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ناول نگاروں نے بے شمار ناول لکھے ہیں، جن میں ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری جیسے نام قابلِ ذکر ہیں۔ موجودہ دور میں ناول نگاری کے حوالے سے ایک اہم نام رفاقت جاوید کا ہے۔ انھوں نے بھی دیگر ادیبوں کی طرح معاشرے کی اصلاح کے لیے ان سماجی مسائل کو معاشرے کے سامنے پیش کر دیا ہے جن سے معاشرے کا امن برباد ہو رہا ہے اور ان مسائل کا خاتمہ ہی ایک مثالی معاشرے کی بنیاد بن سکتا ہے۔ رفاقت جاوید کے ہاں متعدد موضوعات ملتے ہیں لیکن ان کے مطابق ہمارے معاشرے میں موجود مسائل کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ اس لیے انھوں نے ان مسائل کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جن کا حل اسلامی اصولوں کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ ان کے ناولوں میں عائلی مسائل کا واضح تذکرہ ہے جن سے براہ راست معاشرے پر اثر پڑتا ہے۔ میاں ،بیوی کے حقوق، اولاد کی تربیت، اولاد کی وراثت خاص طور پر بیٹی کا حصہ، لے پالک اولاد کے حقوق، خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے مسائل، میاں بیوی کے نفسیاتی مسائل کا اولاد پر اثر وغیرہ جیسے مسائل ان کے ناولوں کے بنیادی موضوعات ہیں کیونکہ ایک عمدہ خاندان ہی ایک عمدہ معاشرہ تخلیق کر سکتا ہے۔

سید سابق مصری اپنی کتاب "خاندانی نظام" میں میاں بیوی کے حقوق کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں:

> "شوہر کے حقوق میں سے یہ بھی کہ کسی ایسے رشتہ دار کو گھر نہ آنے دے جو اسے پسند نہیں، سیدنا عمرو بن احوص جشمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: "میں نے نبی کریم ﷺ سے حجتہ الوداع میں سنا، اللہ کی حمد و ثنا اور تذکیر و وعظ کرنے کے بعد کہا: "میں تمھیں عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی

وصیت کرتا ہوں، بیشک وہ تمہاری قیدی ہیں، اس کے سوا تم ان سے کسی
چیز کے مالک نہیں ہو، الا یہ کہ وہ واضح بے حیائی کا ارتکاب کریں، اگر ایسا
کریں تو انہیں بستر سے الگ کرو اور اس قدر ہی مارو جو واضح نہ ہو، اگر
تمہاری بات مان لیں تو ان پر کوئی اور راستہ تلاش نہ کرو۔ سنو! تمہاری
بیویوں پر تمہارا حق ہے اور تمہاری بیویوں کا تم پر حق ہے، تمہارا ان پر حق یہ
ہے کہ جنھیں تم ناپسند کرتے ہو، وہ انھیں تمہارے بستروں پر نہ بیٹھنے دیں
اور تمھارے ناپسندیدہ لوگوں کو تمھارے گھر نہ آنے دیں اور ان کا تم پر
حق یہ ہے کہ ان کا کھانا اور لباس اچھے طریقے سے فراہم کرو۔ " اسے ابنِ
ماجہ اور ترمذی نے نقل کیا اور کہا حسن صحیح ہے۔ "(۷)

رفاقت جاوید اپنے ناولوں میں ہر فرد کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہیں اور ان مسائل کی نشاندہی کرتی ہیں جن سے نہ صرف ایک خاندان کے افراد متاثر ہوتے ہیں بلکہ ایک معاشرہ بھی بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ ایک خاندان کی حیثیت سے سب سے اہم کردار میاں بیوی کا ہے۔ اگر ان کا رشتہ اسلامی اصولوں پر استوار ہو گا تو ہی بچوں کی تربیت بھی اسلامی اصولوں پر کی جاسکے گی، میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ میاں بیوی کے ذاتی مسائل کسی بھی خاندان میں بچوں پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں، بچوں میں نفسیاتی مسائل ماں، باپ کے رویوں کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناولوں میں انہی نفسیاتی مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جن سے سماج میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ رنگِ خلش میں ایسے ہی ایک انسان کی کہانی کو بیان کیا ہے جس کے والدین کی آپس کی چپکلش نے اسے زندگی بھر کے لیے متعدد نفسیاتی مسائل سے دوچار کر دیا اور ساری عمر احساس کمتری کا شکار رہا، یہی وجہ ہے کہ وہ سماج میں ایک مفید انسان ثابت نہ ہو سکا۔ میاں، بیوی کو کسی خاندان کی تشکیل میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے اگر ان میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو گی تو گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کا ماحول رہے گا جس سے اولاد کی تربیت عمدہ اصولوں پر نہیں کی جاسکے گی۔

اسلام نے میاں اور بیوی دونوں کے حقوق واضع کر دیے ہیں، اس سے انحراف کی صورت میں ان کے آپس کے تعلقات خراب ہوں گے جس سے ایسا خاندان جو معاشرے کے لیے مفید ہو اس کا قائم ہونا

نہایت ہی مشکل ہو گا۔اس حوالے سے مولانا مودودی میاں بیوی کے تعلقات کے بارے میں اپنی کتاب "**اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات**" میں لکھتے ہیں:

"اسلام کے نزدیک مرد اور عورت کے تعلق کی صحیح صورت صرف وہ ہے
جس کے ساتھ معاشرتی ذمہ داریاں قبول کی گئی ہوں اور جس کے نتیجے میں
ایک خاندان کی بنیاد پڑے۔ نکاح کو اسلام محض جائز ہی نہیں بلکہ اسے ایک
نیکی ایک کارِ ثواب، ایک عبادت قرار دیتا ہے۔"(۸)

ہمارے مذہب نے اسی لیے میاں، بیوی کے حقوق کو بالکل واضح کر دیا اور ایک مثالی معاشرہ قائم کرنے کے لیے ہمارا مذہب بچوں کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیتا ہے اسلام اولاد کی تربیت کو ایک اہم فریضہ کے طور پر والدین کو تلقین کرتا ہے، جس طرح کسی بچے کی تربیت کے لیے ماں کا پیار اور اس کی ممتا ضروری ہے اسی طرح اس کے کردار کو مثالی بنانے کے لیے باپ کی شفقت اور رعب و غصہ بھی ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ میاں بیوی کی آپس کی رنجشیں بچے کی نفسیات پر بہت منفی اثر ڈالتی ہیں اور اکثر اوقات تو میاں، بیوی کی علیحدگی سے بچہ بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر معاشرے کے لیے ایک مسئلہ بن جاتا ہے۔رفاقت جاوید رنگِ خلش میں اسی نفسیاتی بیماریوں کے شکار بچے کی داستان پیش کر کے معاشرے کا دھیان ان اسباب کی طرف لے جانا چاہتی ہیں جو کسی سماج میں امن و امان کی صورتحال کو بگاڑ دیتے ہیں۔

اولاد کی خواہش ہر انسان کی فطری خواہش ہے اور عورت تو خاص طور پر اولاد کے بعد ہی خود کو مکمل عورت تسلیم کرتی ہے۔خود خدا نے بھی ہر جاندار کو جوڑے کی شکل میں پیدا کیا تا کہ ہر جاندار اپنی نسل کو بڑھا سکے۔اس لیے اللہ نے انسان کے دل میں اولاد کی خواہش باقی تمام جانداروں سے زیادہ رکھی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

"آسمانوں اور زمین کا بنانے والا جس نے تمھاری اپنے جنس سے تمھارے
لیے جوڑے پیدا کیے اور اسی طرح جانوروں میں بھی انہی کے ہم جنس بنائے
،اور اس طریقہ سے وہ تمھاری نسلیں پھیلاتا ہے۔ کائنات کی کوئی چیز اس
کے مشابہ نہیں،وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"(۹)

## ۲۔ اولاد کی تربیت:

کسی بھی عورت کے دل میں اولاد کی خواہش مرد کی نسبت کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اور اگر اولاد میاں، بیوی دونوں کی رضامندی سے ہو تو ہی اس کی پرورش عمدہ اصولوں پر کی جاسکتی ہے۔ باقی معاملات کی طرح اگر اس پر بھی زہنی ہم آہنگی نہ ہو تو بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ رفاقت جاوید اپنے ناول میں بتاتی ہیں کہ کس طرح میاں کی مرضی کے بغیر عورت کی اولاد کی خواہش ان کی زندگی میں پریشانیوں کے پہاڑ گرادیتی ہے۔

> "اب میرا رول ایک وفا شعار بیوی کا ہے۔ اس وقت میرا گھر، میرا شوہر ،میرے سسرال کا ہر رشتہ میرے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے بعد بچوں کی پیدائش اور ان پرورش میرے تمام فرائض میں سرِ فہرست ہو گی۔ مجھے بچوں سے والہانہ لگاؤ بھی حد درجے کا ہے۔ فیملی کمپلیٹ کرنے کے بعد اور باقی بھی تمام گھریلو ذمہ داریاں اور فرائض سے سبکدوش ہونے کے بعد تو وقت کا ہر لمحہ میرا اپنا ہے۔"(۱۰)

کوئی بھی عورت اولاد کے بغیر خود کو غیر محفوظ محسوس کرتی ہے، لیکن اس خواہش میں میاں، بیوی دونوں کی مرضی شامل نہ ہو تو بے شمار مسائل پیدا ہو جاتے ہیں جن سے نہ صرف میاں، بیوی کے آپس کے تعلقات متاثر ہوتے ہیں بلکہ اولاد بھی بری طرح سے نظر انداز ہونے کی وجہ سے بہت سی نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر اکثر اوقات معاشرے کے لیے بھی خطرہ بن جاتی ہے۔ یہ سچ ہے کے عورت اولاد کو پیدا کر سکتی ہے لیکن اکیلے اس کی مثالی پرورش نہیں کر سکتی۔

> "اگر تم نے بچے ہی پیدا کرنے تھے، ملازموں والے کام ہی کرنے تھے تو تعلیم پر اپنا وقت ضائع کیوں کیا۔ بارہ سال کی عمر میں شادی کراتی اور تیرہ سا ل کی عمر میں ایک عدد بچہ پیدا کر چکی ہوتی۔ بچے تمھیں پسند ہیں، لعنت ہے تمھاری سوچ پر۔"(۱۱)

رفاقت جاوید کے نزدیک معاشرے میں مسائل کی سب سے بڑی وجہ اسلام سے دوری ہے اور انھوں نے اپنے ناولوں میں بہت سے ایسے نفسیاتی مسائل کو بیان کیا ہے جو کسی بھی معاشرے کو تباہ کر سکتے ہیں۔ چونکہ خاندان ہی کسی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور کسی خاندان کی تشکیل میں میاں، بیوی بنیادی ستون کی حیثیت

رکھتے ہیں۔ اگر میاں، بیوی کے درمیان رشتہ محبت کا استوار ہو گا اور ان کی ذہنی ہم آہنگی ہو گی تو ہی ایک مثالی خاندان تشکیل پا سکے گا۔ اس لیے اسلام نے جس طرح نکاح کو فضیلت بخشی ہے اسی طرح اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کی رضامندی بھی جان لی جائے تاکہ دونوں ایک دوسرے کو دل سے قبول کر سکیں اور بعد میں کسی قسم کی ذہنی ناچاکی پیدا نہ ہو۔ بدقسمتی سے اس بات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور بغیر مرضی جانے ہی دو لوگوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا جاتا ہے اور عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کے بعد میں ذہنی ہم آہنگی ہو جائے گی جب کہ ایسا نہ ہو پائے تو نہ صرف دو لوگوں کی زندگیاں تباہ ہوتی ہیں بلکہ آنے والی نسل بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ پاتی۔ یہ ایک ایسا نفسیاتی مسئلہ ہے کہ جس سے بے شمار مسائل جنم لیتے ہیں۔ جس طرح اسلام معاشرے میں موجود ہر شخص کے حقوق اور فرائض کو واضح بیان کرتا ہے اسی طرح میاں، بیوی کے حقوق کو بھی اسلام نے بالکل واضح کر دیا ہے تاکہ ایسا خاندان تشکیل پائے جو ایک ایسے مثالی معاشرے کی بنیاد ہو جہاں امن قائم ہو سکے اور انصاف کا بول بالا ہو۔ اگر میاں بیوی اپنے فرائض احسن طریقے سے نبھائیں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے تو ہی ان کی زندگی پر سکون ہو گی اور وہ آنے والی نسل کی عمدہ تربیت کر پائیں گے۔ رفاقت جاوید نے اپنے ناولوں میں اس مسئلے کو بخوبی بیان کیا ہے جو میاں، بیوی کی آپس کی ناچاکی سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ ایک عمدہ خاندان ہی معاشرے میں مثبت کردار ادا کر سکتا ہے۔ انھوں نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ میاں، بیوی کا آپس کا رویہ اولاد کی تربیت پر کس طرح اثرانداز ہوتا ہے اور میاں، بیوی کی آپس کی ناچاکی اولاد پر جو اثرات مرتب کرتے ہیں ان سے ایسے کردار جنم لیتے ہیں جو معاشرے کے مسائل کی وجہ بنتے ہیں۔ میاں، بیوی کے رشتہ کی بنیاد محبت اور اعتماد پر ہوتی ہے، اس حوالے سے ناول میں یوں بیان ہوا ہے:

> "چند دنوں میں ہی شادی کا نشہ اتر گیا ہے۔ حسنات اس کا نشہ ابدی نہ ہو تو بہت مسائل کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ رشتہ ہی انسیت و لگاوٹ کا ہے نہ کہ غیریت کا ایگریڈ۔"[۱۲]

رفاقت جاوید کی نظر میں میاں، بیوی کا رشتہ احساس پر ہی قائم رہ سکتا اور اگر دونوں ایک دوسرے کا احساس کریں گے اور زندگی کے فیصلے باہمی مشاورت اور ایک دوسرے کی مرضی سے کریں گے تو ہی زندگی کو خوشحال بنایا جا سکتا ہے۔ میاں، بیوی کے ذہنی ناچاکی کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں، جن میں ناپسندیدگی، غربت،

تعلیم کا فقدان، بے جا خواہشات یا پھر دونوں کے عمر کا فرق وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن اسلامی نقطہ نظر سے میاں، بیوی کی ناچاکی کی بڑی وجہ اپنے فرائض سے روح گردانی ہے۔ اگر اسلامی اصولوں کو پیش نظر رکھا جائے تو کسی قسم کے مسائل پیدا نہ ہوں گے۔ جس طرح عورت پر اسلام نے خاوند کے حقوق لازم کیے ہیں اسی طرح مرد پر بھی لازم کیا گیا ہے کہ وہ عورت کے حقوق کو پورا کرے، چونکہ ماں کو پہلی درس گاہ کا درجہ حاصل ہے اس لیے تعلیم نسواں بھی معاشرے کا بڑا مسئلہ ہے، عام طور پر اسے نظر انداز کیا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اگر لڑکی کو تعلیم نہ بھی دی جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ جب کہ عورت نے ہی آنے والی نسل کی تربیت میں اہم کردار ادا کرنا ہوتا ہے اس لیے جتنا حق مرد کا ہے تعلیم حاصل کرنے کا اتنا ہی عورت کو بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے بھی عورت کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ رفاقت جاوید اپنی تحریروں میں عورت کے نفسیاتی مسائل کو بھی بیان کرتی ہیں جو شاید اسے بچپن سے ہی بیٹے کے برابری نہ ملنے سے پیدا ہوتے ہیں اور ساری زندگی اس کی شخصیت پر اپنا اثر قائم رکھتے ہیں۔ اسلامی معاشرہ ہونے کے باوجود یہ دیکھا گیا ہے کہ بدقسمتی سے بیٹی کو وہ حق حاصل نہیں ہوتا جو بیٹے کو ملتا ہے۔ اس رویے سے عورت بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہوتی ہے جو آگے چل نہ صرف اسے بلکہ اس کی آنے والی نسل کو بھی بری طرح متاثر کرتے ہیں۔ والدین کے اس رویے اور عورت کی نفسیاتی کیفیت کے حوالے سے رفاقت جاوید اپنے ناول حوا کے روپ ہزار میں لکھتی ہیں:

> "وہ جانتی تھی کہ شان نہایت چالبازی سے بچ نکلے گا اور ماں کی تمام پھٹکار اس کے لیے رہ جائے گی۔ THIS IS NOT FAIR بے ساختگی میں دل سے شورش و بغاوت سے بھرپور آواز نکلی۔ میں تو ایک فالتو ممبر ہوں اپنی فیملی کا جس کی کسی کو پرواہ ہے اور نہ ہی مجھ سے کسی کو پیار ہے۔ تمام عزت اور اہمیت شان کے لیے ہے "(۱۳)

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ میاں، بیوی مل کر ہی ایک مثالی خاندان کی تشکیل کر سکتے ہیں لیکن کسی خاندان کی تشکیل میں عورت کا کردار مرد سے کافی حد تک زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ایک عورت ہی کسی گھر کو جنت یا جہنم بنا سکتی ہے۔ اس لیے اگر شروع سے ہی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کو اہمیت دی جائے تو ہی وہ آگے چل کر اپنے خاوند کے شانہ بشانہ چل سکے گی۔ معاشرے کو تباہی سے بچانے کے لیے انسان کو واپس مذہب کی طرف لانا ہو گا اور انسان کو یہ باور کرانا ہو گا کہ حیوان اور انسان کی زندگی میں زمیں آسمان کا فرق ہے

اور یہ کام صرف دین اسلام ہی کر سکتا ہے۔ مغربی معاشرے میں خاندان کے بکھرنے کے اسباب میں بنیادی وجہ مرد اور عورت کے مقام کا تعین ہے۔ آج تک وہ مرد اور عورت کے اصل مقام کا تعین نہیں کر پائے کبھی مرد کو آقا کا درجہ دے کر ہر فساد کی جڑ عورت کو قرار دیا جاتا ہے اور کبھی عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے مغربی معاشرہ آج تک عورت کے اصل اور متعدل مقام کا تعین نہیں کر سکا جس کی وجہ سے مغربی معاشرہ آج بھی ایک خاندان کی تشکیل میں ناکام رہا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو عورت کے اصل مقام کو متعدل طریقوں سے پیش کرتا ہے اور عورت کو ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کا مقام عطا کر کے گھر اور بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری بھی عورت کو سونپتا ہے۔ مرد کو اس کا ضامن بناتا ہے کہ وہ عورت کا خیال رکھے اور عورت کا نگہبان ہو۔ زندگی کے ہر معاملے میں مرد اور عورت ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اس لیے نکاح کی صورت میں اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو ایک بلند مرتبہ بخشا ہے۔ رفاقت جاوید بھی اسی مسئلے کو بیان کرتی ہیں کہ اگر مرد یا عورت دونوں میں سے کوئی ایک بھی ایک دوسرے کی عزت یا احترام نہ کرے گا یا ایک بھی اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کرے گا تو ان کو اکٹھے ایک خاندان کی شکل میں رہنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ ایک دوسرے کی خواہشات کا احساس اور ان کا احترام بھی اسی طرح لازم ہے اگر نہ کیا جائے تو ایک دوسرے سے دوری اور نفرت جنم لے گی جو آہستہ آہستہ خاندان کی تباہی کا باعث بنے گی۔ رفاقت جاوید نے رنگِ خلش میں اس کیفیت کو یوں بیان کیا ہے:

> "آج میں جو کرنے جا رہی ہوں وہ دھوکہ، فریب اور دغابازی ہر گز نہیں۔ وہ میرا حق ہے۔ جو اللہ کی عدالت میں جائز اور حلال ہے اسے حاصل کر کے چھوڑوں گی۔ میں حسنات کی داشتہ ہوں نہ ہی زر خرید لونڈی ہوں۔ میں اس کی منکوحہ ہوں۔ وہ مجھے ماں بننے سے روکنے کا حق نہیں رکھتے۔ مجھے اپنے غموں کا مداوا، اپنی چاہتوں کا حاصل اور زندگی کو بامقصد بنانے سے کوئی روک نہیں سکتا۔" [۱۴]

کسی بھی معاشرے میں جہاں غربت، بے روزگاری، دہشت گردی، بدامنی، مہنگائی اور ناانصافی بڑے مسائل ہیں، وہاں عائلی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہی وہ عائلی مسائل ہیں جن کی وجہ سے اس طرح کے بڑے بڑے مسائل کسی بھی معاشرے میں جنم لیتے ہیں۔ اسلام اسی لیے عائلی مسائل کو

بنیادی مسائل کی حیثیت دیتا ہے اور ان پر بہت زور دیتا ہے اور معاشرے کو ان بڑے مسائل سے بچانے کے لیے خاندانی نظام کو ترجیح دیتا ہے۔ اور ایک مثالی خاندان کی تشکیل کے لیے میاں، بیوی کو ایک دوسرے کی جائز خواہشات کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ خاندانی نظام کو قائم رکھنے کے لیے میاں، بیوی مل جل کر گھر کی ذمہ داریوں کو نبھائیں۔ اسلام جہاں میاں، بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے وہاں ہی اولاد کے حقوق اور ذمہ داریوں کو بھی واضح کرتا ہے۔ اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت ماں، باپ پر اولاد کا پہلا حق ہے۔ ماں، باپ مل کر ہی اولاد کی مثالی تربیت کر سکتے ہیں۔ رفاقت جاوید ان مسائل پر بھی بھرپور روشنی ڈالتی ہیں جو اولاد کی عمدہ تربیت نہ کرنے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، کیونکہ عمدہ تربیت ہی انسان کی کردار سازی کر سکتی ہے اور انسان کی سوچ کو مثبت کر سکتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان جو کچھ بچپن میں والدین سے سیکھتا ہے وہی اس کے کردار میں جھلکتا ہے۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے یہ ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد کو دینِ اسلام کی طرف راغب کریں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی پرورش کریں۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے ضروری ہے کہ جہاں والدین اولاد کی دنیاوی ضروریات کو پورا کریں انھیں اچھا رہن سہن، لباس اور خوراک فراہم کریں، وہاں انھیں تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ کریں۔ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان اور حیوان میں فرق کرتی ہے۔ تعلیم سے مراد صرف دنیاوی تعلیم نہیں بلکہ دین و دنیا دونوں کی تعلیم والدین کا اہم فریضہ اور اولاد کا بنیادی حق ہے۔ ہمارا مذہب بھی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے۔ اولاد کی تربیت میں تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

> "سب سے پہلے کہانی اللہ تعالیٰ کے پاک ناموں اور پیارے نبی رسولؐ اور پیغمبر کے مضبوط اور قابلِ احترام کردار سے شروع ہو گی۔ اس کے بعد اگلی سیڑھی پر قدم رکھیں گے تو کامیابی ہو گی۔ اب ہم وضو کرتے ہیں دو نفل حاجت پڑھ کر اپنے رب سے صراطِ مستقیم پر گامزن رہنے کی دعا کرتے ہیں وہ اسے سینے سے لگا کر عقیدت مندانہ انداز میں بولی۔"[۱۵]

تعلیم و تربیت کا سلسلہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ماں کو پہلی درسگاہ کا درجہ اسی لیے دیا جاتا ہے، انسان کی تربیت کا آغاز ماں سے ہوتا ہے اور جیسے جیسے انسان بولنا شروع کرتا ہے تو وہ اپنے آس پاس کے ماحول سے زبان اور الفاظ سیکھتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچے کے سامنے اخلاقیات کا خاص

خیال رکھا جائے تاکہ اسے اخلاقی تعلیم حاصل ہو اور وہ عمدہ اخلاقیات سیکھ سکے۔ اسلام چونکہ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی اور حق کا دین ہے اس لیے اسلام زمانے کی قید سے آزاد ہے اور کہیں بھی انسانوں کو ماضی کی قید میں نہیں رکھتا بلکہ اسلام میں جدت ہے اور یہ وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کا درس دیتا ہے۔ جہاں انسان کے رہن سہن، اور روایات میں جدت آئی ہے وہاں ہی تعلیم بھی سائنس کی وجہ سے جدید ہوئی ہے اور ایسا ہرگز نہیں کے اسلام صرف دین کی تعلیم کا ہی حکم دے کر جدید تعلیم سے روکتا ہے۔ اس لیے دنیاوی تعلیم کو بھی اسلام ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنا انھیں تعلیم کی اہمیت سے واقف کرانا بھی والدین کی ہی ذمہ داری ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی اخلاقی، ایمانی اور عقلی تربیت بھی کی جائے تاکہ وہ کسی بھی معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ اولاد کو حکمت کی باتیں بتائیں اور ان کو کتابوں کی اہمیت سے آگاہ کریں تاکہ کتابوں سے بچوں کی دلچسپی بڑھے۔ موجودہ دور میں انسان کتاب سے دور ہوتا جارہا ہے کیونکہ وہ اس کی اہمیت کو بھلا بیٹھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی روایات اور تاریخ کو بھی بھول گیا اور ایسے معاملات میں پڑ گیا ہے جو کسی بھی معاشرے کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔ رفاقت جاوید ان مسائل کو بھی قاری کی توجہ میں لاتی ہیں جن کے بنیادی اسباب میں تعلیم یا کتابوں سے دوری شامل ہیں۔

> "کتابیں تو تمھاری دوست ہیں میری جان۔ ان کے بغیر زندگی ادھوری ہے ،اس لیے تو تمھاری ممی نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا ہے۔ بچوں کو بھی اسی لیے سکول بھیجا جاتا ہے کہ ان کی شخصیت میں ان کتابوں کی وجہ سے نکھار آجائے۔ ورنہ انسان اور حیوان میں فرق ہی نہ رہے۔ عقل و شعور اور احساسات ہی نہ ہوں۔"[۱۶]

تربیت ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے انسان کی کسی بھی معاشرے کے لیے مفید بنایا جاسکتا ہے اور رفاقت جاوید اپنی کہانیوں میں ان نفسیاتی مسائل کو بہت عمدہ انداز میں بیان کرتی ہیں، جنھیں عام طور پر بہت توجہ نہیں دی جاتی لیکن وہ کسی بھی معاشرے کے امن وسکون کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ اولاد کی مکمل کردار سازی تب ہی ممکن ہے جب ماں، باپ دونوں اولاد کے حوالے سے اپنے ذمہ داریاں بخوبی بنھائیں گے، کیونکہ اگر ان میں سے ایک بھی اپنی ذمہ داریوں میں لاپرواہی برتے گا تو اس کا براہِ راست اثر اولاد کی شخصیت پر پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے انسان جن کے والدین میں کسی قسم خلش یا علیحدگی ہو وہ بہت سے نفسیاتی

بیماریوں یا مسائل کا شکار رہتے ہیں۔ عام طور پر ایسے انسان احساس کمتری کا شکار ہو کر اخلاقیات کا دامن کھو بیٹھتے ہیں جس سے معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی نفسیاتی کیفیت کو رفاقت جاوید کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"سائرہ نے محسوس کیا کہ عادل بہت سہما ہوا بچہ ہے۔ دوسرے بچوں کی نسبت ایکٹیویٹیز میں حصہ لینے سے بہت گھبراتا ہے اور دوسرے بچوں میں مکس اپ ہونے سے کتراتا بھی ہے اور جہاں کہیں وہ اپنے باپ کے گرے بالوں والے مرد کو دیکھتا ہے تو اس کی گود میں جانے کے لیے چیخنے چلانے لگتا ہے، ضد کرتا ہے اور رونے دھونے لگتا ہے۔"(۱۷)

اولاد کی تربیت کی ذمہ داری مذہبی اور قانونی لحاظ سے ماں اور باپ دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اولاد کی تربیت میں ماں کا کردار پہلا اور بنیادی ہے، اولاد کی مکمل کردار سازی کے لیے یہ لازم ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی شفقت اور سختی تربیت میں شامل ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ماں باپ میں علیحدگی ہو جائے تو اولاد بری طرح سے متاثر ہو جاتی ہے۔ ایسی اولاد نفسیاتی طور پر تو متاثر ہوتی ہی ہے لیکن اخلاقی طور پر بھی بہت سی مشکلات کا شکار رہتی ہے۔ اپنی زندگی کی محرومیوں کا ذمہ دار نہ صرف والدین کو ٹھہراتے ہیں بلکہ معاشرے کو بھی اس میں برابر کا قصوروار سمجھتے ہیں ان اثرات کی وجہ سے ایسے انسان معاشرے میں دوسرے انسانوں کے ساتھ ایک نفرت آمیز رویہ ہی رکھتے ہیں جس سے ان کی زندگی اور محرومیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ رفاقت جاوید کے نزدیک اگر کسی بھی معاشرے کو مسائل سے پاک کرنا ہے تو اس میں موجود خاندانوں کو مسائل سے پاک کرنا ہوگا اور ایسا تب ہی ممکن ہے کہ کسی بھی خاندان کی بنیاد اسلامی تعلیمات اور اصولوں پر رکھی جائے۔ اسی لیے رفاقت جاوید نے ان تمام نفسیاتی مسائل کو بہت زور دے کر بیان کیا ہے جن سے کسی بھی معاشرے میں بہت سے بڑے بڑے مسائل جنم لیتے ہیں، ان مسائل کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہی کو کہا اور ان کا حل بھی اسلام ہی کو کہا ہے۔ والدین کی علیحدگی کی وجہ سے بچوں میں پیدا ہونے والے نفسیاتی مسائل اور ان کے رویوں میں نفرت اور منفی سوچ کے حوالے سے ناول ریشم کے دھاگے میں یوں بیان ہوا ہے:

"تمھاری زبان کاٹ دوں گی جو طلاق کا نام بھی لیا تو۔۔۔ اماں تم نے بھی تو طلاق لی تھی ناں اگر میں نے لے لی تو کون سا قیامت ٹوٹ پڑے گی۔"(۱۸)

کسی بھی انسان کے کردار پر اس کے ماحول کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے اور اگر والدین ہی بچوں کی نفسیات کو نہ سمجھیں گے تو بچے بہت سے نفسیاتی مسائل اور احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ احساس ساری زندگی ان کے ساتھ رہے گا اور زندگی کے ہر معاملے میں یا تو خود کو کسی قابل نہ سمجھیں گے یا پھر سب ان کے غصے کا شکار رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر بھی انھیں یہ احساس تک نہ ہو گا کہ انھوں غلط کیا ہے۔ اسی نفسیاتی کیفیت کو رفاقت جاوید اپنے ناول میں ایک جگہ یوں بیان کرتی ہیں:

> "مجھے ایک سوال ہر وقت بہت تنگ کرتا رہتا ہے۔ آج اس کا جواب چاہیے۔ مجھے آپ دونوں نے پیدا کیوں کیا تھا۔ میں نے تو درخواست نہیں بھیجی تھی۔ اگر آپ دونوں سے یہ غلطی سرزد ہو گئی تھی تو اس کا ازالہ ایک اور بچے سے کرنا چاہیے تھا۔ مجھے اس بھری دنیا میں اکیلا کیوں چھوڑ دیا۔ یہ کیسی حسرت ناک زندگی ہے میری کہ کوئی ایکٹیوٹی نہیں۔ آپ نے بھی یونیورسٹی جوائن کر کے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔"[۱۹]

اگر انسان گھریلو ماحول کی وجہ سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جائے اور اس نے ایسے ماحول میں زندگی گزاری ہو جہاں اخلاقی قدر ختم ہو چکی ہو تو یہ ممکن نہیں کہ وہ پوری طرح سے اپنی صلاحیتوں کو معاشرے کے لیے بروئے کار لا سکے اور ایسے ماحول میں پرورش پانے والے بچوں میں اپنے والدین کی عزت اور چاہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ اس قدر بے حس ہو جاتے ہیں کہ انھیں والدین کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ وہ اپنی محرومیوں کا بدلہ یا تو ان کی عزت کو پامال کر کے لیتے ہیں یا پھر دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچا کر اپنی روح کو تسکین کا سبب کرتے ہیں۔ یہ رد عمل فطری ہوتا ہے کیونکہ نفرت انھیں اس حد تک اندھا کر دیتی ہے کہ انھیں اخلاقی اقدار سے کوئی سروکار ہی نہیں رہتا۔ وہ اسی انداز میں زندگی گزارتے ہیں جس سے ان کی روح کو تسکین ملتی ہو۔ رفاقت جاوید اس نفسیاتی کیفیت کو بیان کرتی ہیں جو کسی بھی معاشرے میں ایسے منفی اثرات مرتب کرتی ہے جو بگاڑ پیدا کر کے بہت سے جرائم کو جنم دیتی ہیں۔ ایسے لوگ معاشرے کے لیے ایک ایسا ناسور بن جاتے ہیں جنھیں خود ان کا وجود بھی ایک وقت پر قبول نہیں کرتا۔ ایسی ہی کیفیت کو رفاقت جاوید کچھ یوں بیان کرتی ہیں:

"مجھے بزدل اور ڈرپوک ماں نہیں چاہیے۔ میں باپ کی شفقت، توجہ، ہمدردی اور تحفظ کے بغیر پروان چڑھ گیا ہوں تو ماں تمھاری ممتا، دعا اور چاہ کے بغیر باقی ماندہ زندگی گزار سکتا ہوں۔ ایک ان وانٹیڈ بچہ پیدائش سے لے کر مرتے دم تک تنہا ہی رہتا ہے۔ اسے ماضی کے اکیلے پن کا ایک ایک لمحہ دہائی دینے لگا تھا۔"(۲۰)

## ۳۔ لے پالک اولاد:

رفاقت جاوید نے جہاں اپنے ناولوں میں میاں، بیوی کے تعلقات اور ان کی ذمہ داریوں کے مسائل، بچوں کی تربیت اور بچوں پر میاں بیوی کی علیحدگی کے اثرات جیسے اہم سماجی مسائل کو بیان کیا ہے وہاں ایک اور اہم مسئلہ جو عام طور پر نظر انداز ہوتا ہے جو کے لے پالک اولاد کا ہے، اسے بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی بھی خاندان اولاد سے ہی مکمل ہوتا ہے اور اولاد ہر انسان کی فطری خواہش بھی ہے۔ لیکن اکثر اولاد کا نہ ہونا بھی میاں، بیوی کے درمیان فاصلے کو بڑھا دیتا ہے اور بہت سے مسائل بھی اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ اولاد کے ہو جانے سے خود بخود میاں، بیوی کے بہت سے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کسی کے ہاں اولاد نہ ہو تو اس کمی کو پورا کرنے اور اپنی فطری خواہش کی تسکین کے لیے ہمارا معاشرہ اور ہمارا دین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی بھی لاوارث یا کسی دوسرے کی اولاد کو لے کر اپنی اولاد کے طور پر پالا جائے۔ اگر مذہب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارا دین کبھی بھی یہ لازم نہیں کرتا کہ آپ کسی کی اولاد کو پالیں یا اس کی ذمہ داری اٹھائیں لیکن اگر کسی بھی وجہ سے یہ ذمہ داری انسان پر آ جائے تو پھر یہ لازم ضرور کرتا ہے کہ اس سے انسانیت کے ناطے وہی سلوک روا رکھا جائے جو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ اولاد کے ساتھ والدین کی محبت فطری عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے والدین کے دل میں ڈالی گئی ہے۔ اگر انسان وہی محبت اور رویہ لے پالک اولاد کے ساتھ قائم رکھ سکے تو اللہ کے نزدیک یہ ایک نیکی اور عبادت کا بھی درجہ رکھتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر انسان لے پالک اولاد کے ساتھ ہمدردی کا رویہ نہ رکھے تو وہ قصوروار ٹھہرایا جائے گا۔ رفاقت جاوید ایسی ہی کہانی بیان کرتی ہیں جہاں اولاد کی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک بچی کو اپنایا جاتا ہے لیکن بعد میں جب رب تعالیٰ ان کو اپنی اولاد سے نوازتا ہے تو ان کے اس لے پالک بچی کے ساتھ کیا رویہ ہوتا ہے، خاص طور پر ماں کا رویہ کس طرح تشویش ناک ہو جاتا ہے اور اس رویے سے اس بچی کی زندگی پر

کتنے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ انسانیت کے ناطے بھی ہمیں ایسے بچوں سے کیا سلوک روا رکھنا چاہیے اور دینی لحاظ سے کیسے ہم ایسے بچوں کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام نے جہاں زندگی گزارنے کے حوالے سے تمام پہلوؤں پر واضح تعلیمات دی ہیں وہاں ہمارا مذہب لے پالک اولاد کے حقوق بھی واضح طور پر بیان کرتا اور اسی لیے لے پالک اولاد کی تعلیم و تربیت اور وراثت میں ان کے حصے کو بھی اسلام بالکل واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ معاشرے میں کسی بھی قسم کے مسائل پیدا نہ ہوں۔

معاشرے میں لے پالک اور گود لیے بچوں کے حوالے سے دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک تصور تو یہ ہے کہ لے پالک بچوں کی تربیت کی جائے اور ان کا بھرپور خیال رکھا جائے لیکن ان کی ولدیت تبدیل نہ کی جائے اور دوسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ ان بچوں کی تربیت کی جائے اور ان کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی نسبت بھی تبدیل کر دی جائے اور اس گھرانے کی طرف کر دی جائے جس نے اسے پالا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ابتدا میں دوسرے تصور کو جائز کہا گیا اور اسی وجہ سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے منسوب کیا گیا اور ان کا نام "زید بن محمد" پڑ گیا۔ اسی طرح سالم رضی اللہ عنہ کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا جاتا تھا تو ان کا نام "سالم بن ابو حذیفہ" پڑ گیا تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو شریعت سے خارج کر دیا اور حکم فرمایا کہ ہر شخص کو اس کی ولدیت کے نام سے بلایا جائے۔ اس حوالے سے قرآن پاک میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

> "ان کو ان کے باپ کے نام کے ساتھ پکارو اللہ کے نزدیک یہی بات انصاف کے زیادہ قریب ہے اور اگر تمہیں ان کے باپ کا پتہ نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے دوست ہیں اور تم سے اس بارے میں اب تک جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، البتہ جن باتوں کا تمہارے دلوں نے قصد و ارادہ کر لیا تھا، ان پر تمہاری گرفت ہو گی، اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔"[۲۱]

اس آیت سے لے پالک بچوں کے حوالے سے اسلام کے احکامات بالکل واضح ہیں کہ اسلام کبھی بھی لے پالک اولاد کو اپنی حقیقی اولاد کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ اس حوالے سے متعدد آیات اور احادیث ملتی ہیں

جس میں لے پالک اولاد کے مقام اور حقوق کا تذکرہ بالکل واضح ہے۔ اس حوالے سے صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث پاک ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اٰلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:" جس نے خود کو اپنے باپ کے غیر کی طرف منسوب کیا حالانکہ اسے علم تھا کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام ہے۔"[۲۲]

بنیادی طور پر اس کی یہ وجہ ہے کہ نسب سے بہت سے احکامات تعلق رکھتے ہیں، مثلاً: پرورش، رضاعت، وراثت، سرپرستی، قصاص، نفقہ، قصاص، حد تہمت، چوری کی حد، گواہی اور دیگر امور کا تعلق نسب سے کافی گہرا ہوتا ہے۔ البتہ یہ تصور کہ جس میں غریب یا یتیم بچے کی دیکھ بھال اسی طرح کی جائے جیسے انسان اپنی اولاد کی کرتا ہے اور اس کی ولدیت اور نسب کو بدلہ نہ جائے، تو یہ حرام نہیں ہے، بلکہ یہ تو جلیل القدر نیکی ہے۔ اسلام کا لے پالک اور گود لینے کی رسم کو ختم کرنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ انسانیت یا اسلامی حقوق جیسے صلح رحمی، بھائی چارگی، احسان اور الفت و محبت جیسی قدروں کو ختم کر دیا جائے۔ اسلام چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے احترام کا حکم اور درس دیتا ہے۔ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی چھوٹے کو محبت اور شفقت سے بیٹا کہہ کر پکارے تاکہ اس محبت کے رویے سے وہ اس کی بات توجہ سے سنے۔ بالکل اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کسی بڑے شخص کو اے میرے والد کہہ کر پکارے تاکہ اس کی اطاعت حاصل ہو۔ یہ سب اس لیے بھی ضروری ہے کہ معاشرے میں امن کی فضا قائم ہو سکے اور لوگوں میں انسانیت اور سچی بھائی چارگی پیدا ہو سکے۔ لے پالک اولاد کے حوالے سے عام طور پر معاشرے میں زیادہ علم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی بچے کو گود لینے سے پہلے اس کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور قوانین سے واقفیت حاصل کر لی جائے تاکہ خلاف شرع کو عمل سرزد نہ ہو۔ جیسے اس معاملہ اسلام یہ بات بالکل واضح کرتا ہے کہ نامحرم لے پالک سے پردہ کرنا بھی لازم ہے۔ جبکہ اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا اور یہ سوچ کر کے اولاد ہے جب وہ بالغ بھی ہو جائے تو اس سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ لے پالک اولاد کے پردے کے حوالے سے اسلام کے احکامات بالکل واضح ہیں، اگر عورت کوئی غیر محرم بچہ لے کر پالے تو اُسے اڑھائی سال کی عمر میں وہ عورت خود یا اس کی بہن یا ماں دودھ پلا دیں تو وہ بچہ رضاعی بیٹا یا بیٹی، بھانجا یا بھانجی، بھائی یا بہن بن کر، اس عورت کے لئے محرم ہو جائے گا۔ اگر لڑکی لے پالک ہو تو اسے شوہر کی بہن یا ماں بھی دودھ پلا دیں

تو وہ منہ بولے باپ کے لئے محرم ہو جائے گی اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو بہت سے مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو گھروں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اس حوالے سے اسلام یہ حکم دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری (وہ) مائیں جنھوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری رضاعت میں شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں (سب) حرام کر دی گئی ہیں۔"(۲۳)

اسلام لے پالک بچوں کے حوالے وراثت کے معاملات کو بھی صاف صاف بیان کرتا ہے اور اسلام کے مطابق لے پالک اولاد کا والدین کے وراثت میں کوئی حصہ نہیں، یعنی والدین کی وفات کے بعد لے پالک بچہ والدین کی جائیداد کے کوئی حق نہیں رکھتا، لیکن اگر والدین چاہیں تو اپنی زندگی میں گود لیے بچے کو اپنی وراثت سے تحفہ کے طور پر عطا کر سکتے ہیں۔ معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور قوانین پر عمل درآمد کیا جائے۔ اس حوالے سے رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناول "حوا کے روپ ہزار" میں ایک لے پالک بچی کی کہانی ہی کو بیان کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کیسے ایک لے پالک بچی کی تربیت میں فرق اسے بہت سے نفسیاتی مسائل سے دوچار کرتی ہے اور کس طرح ان نفسیاتی مسائل سے ایک خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ اسلام لے پالک اولاد کو حقیقی اولاد کا درجہ تو نہیں دیتا لیکن انسانیت کے ناطے لے پالک اولاد سے وہی سلوک روا رکھنے کا حکم ضرور دیتا ہے جو حقیقی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے لے پالک بچوں کی پرورش بھی اسلام کے انھیں سنہری اصولوں پر کی جائے جو تربیت اولاد کے لیے اسلام نے وضع کیے ہیں تاکہ معاشرے میں کسی بھی کسی کی بدامنی نہ ہو اور ایک پرامن معاشرے کا قیام یقینی ہو سکے۔ لے پالک اولاد کے ساتھ رویے کے حوالے سے رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

"تو یہ لڑکی جس کا ہمیں علم ہی نہیں کہ کس خاندان سے ہے، کس مذہب سے اس کا تعلق ہے، اس کا عقیدہ اور فرقہ کیا ہے۔ کچھ بھی تو معلوم نہیں، میری اولاد سے مماثلت کیسے رکھ سکتی ہے؟ وہ حقارت سے بولی۔"(۲۴)

اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل میں جو محبت اپنی اولاد کے لیے ڈالی ہے وہ کسی کی اولاد کے لیے پیدا ہونا ایک ناممکن سی بات ہے چاہے انسان اسے پال پوس کر بڑا بھی کرے تو بھی اپنی اولاد جیسی محبت نہیں ہو سکتی، اس لیے انسان لے پالک اولاد کے ساتھ وہ رویہ قائم نہیں کر سکتا جو اپنی اولاد کے لیے کرتا ہے، اور رویہ کا یہ فرق لے پالک بچے کے لیے بہت سے نفسیاتی مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ مرد تو شاید کسی حد تک محبت قائم کر لے لیکن عورت کے لیے یہ بالکل ناممکن ہے کے وہ اپنی اولاد پر کسی کو ترجیح دے یا کسی کو برابری بھی دے سکے۔ چونکہ بچوں کی فطرت ہے کہ وہ محبت اور توجہ چاہتے ہیں ورنہ وہ احساس کمتری اور تنہائی کا شکار ہو کر اپنی منفی سوچ کے اثرات معاشرے پر بھی قائم کرنے لگتے ہیں۔ اس مسئلے کو عام طور پر اتنی توجہ نہیں دی جاتی لیکن ایسے انسان نہ صرف اپنی زندگی کو اذیت بنا دیتے ہیں بلکہ سارے معاشرے کو اپنی محرومیوں کا قصوروار ٹھہراتے ہوئے ان سے بدلہ اور انتقام لینا چاہتے ہیں۔ ایسی کیفیت میں وہ صحیح اور غلط کر فیصلہ نہیں کر پاتے اور انھیں پتا بھی نہیں چلتا کہ وہ اپنے اس احساس کو کم کرنے کے لیے بہت سے لوگوں کی زندگی کو غم اور تکلیف میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ماں کی اس فطرت کو رفاقت جاوید نے یوں بیان کیا ہے:

"میں سوچتی تھی کہ حرم میری آغوش اور میری تربیت میں پل کر بڑی ہوئی ہے۔ پھر بھی شان، ماہم اور ماہا سے کس قدر مختلف ہے۔ یعنی ایک جیسا ماحول ، ایک جیسی ٹریننگ کے باوجود نسل کے رنگ اور اثرات میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ وہی گھٹیا اور حقیر سوچ اور گرے ہوئے خیالات"[۲۵]

رفاقت جاوید ایک ایسی ماں کی کیفیت کو بیان کرتی ہیں جس کی اپنی اولاد نہ ہوئی تو اس نے عورت ہونے کے ناطے اپنی ماں بننے کی فطری خواہش کو ایک بچی گود لے کر پورا کرنا چاہا، لیکن جب اللہ نے اسے اپنی اولاد عطا کر دی تو وہی گود لی بچی اسے بوجھ اور حقیر لگنے لگی۔ اس رویے نے اس بچی کو بہت سی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا کر دیا اور نہ صرف اس بچی کو متاثر کی بلکہ سارے گھر کو بری طرح متاثر کیا۔ ماں کا رویہ اولاد سے شفقت اور محبت کا ہوتا ہے لیکن اگر اسی ماں سے انسان کو نفرت اور حقارت ملنے لگے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان کی سوچ مثبت رہے اور منفی سوچ کے ساتھ کوئی بھی انسان کسی بھی معاشرے کے لیے مفید ثابت نہیں ہو سکتا، اگر ایسا اس گھر میں ہو جہاں باقی بچوں یا بہن، بھائیوں کے ساتھ پیار اور مامتا والا رشتہ ہو تو یہ اور بھی خطرناک ہوتا ہے۔ یہی وہ نفسیاتی مسائل ہیں جو کسی بھی انسان کو باغی بناتے ہیں اور وہ نیکی یا بدی کی پرواکیے بغیر

معاشرے سے اس کا انتقام لینے کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ لے پالک کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ضرور دیا گیا اور اس کی تربیت بھی اپنی اولاد کی طرح کرنے کو اللہ پاک نے پسند فرمایا ہے۔ لیکن عورت کو اللہ پاک نے بہت سے روپ نوازے ہیں لیکن اس کا وہ روپ جس میں وہ خود غرضی اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے نہایت خطرناک ہوتا ہے۔ بچوں میں تفریق کی وجہ سے صرف ایک انسان متاثر نہیں ہوتا بلکہ ایک خاندان اور اس کے ساتھ معاشرہ بھی اس کے منفی اثرات کا شکار ہوتا ہے۔ اسی ضمن میں رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

"شان بتا رہا ہے کہ بہنوں کو مار پیٹ کر تم نے ان سے کھلونے چھینے، انھیں گالیاں دیں۔ بہت بد تمیز لڑکی ہو۔۔۔ ہر بار تم ایسی حرکت کرتی ہو کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی مجبور ہو جاتی ہوں۔ خفیہ اور میسنی ہو۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ ہر شرارت میری غیر موجودگی میں کر کے معصوم بن جاتی ہو۔"[۲۶]

اسلام لے پالک اولاد کو جو نامحرم ہو بالغ ہونے پر پردہ کا حکم دیتا ہے۔ ایسا نہ کرنے سے میاں بیوی کے درمیان شکوک پیدا ہونے کا خدشہ ہے اور اسی مسئلے کو رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناول میں نمایاں کیا کے کیسے وہی عورت جو کل تک بچی کو ماں کی حیثیت سے دیکھتی تھی آج اس کے دل میں اپنے خاوند اور لے پالک بیٹی کے حوالے سے شک پیدا ہو گیا اور وہ اپنے خاوند سے اس کا اظہار بھی کرتی ہے جس سے میاں، بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی کیفیت کو رفاقت جاوید ناول میں لکھتی ہیں:

"فیضان! مجھے اس کا بن سنور کر آپ کے سامنے پھرنا اچھا نہیں لگتا۔ آخر ہے تو غیر کی اولاد اور آپ پر واجب بھی ہے۔ میرا دل اور دماغ اسے اس حالت میں دیکھ کر وسوسوں میں گھِر جاتا ہے۔ بے شک وہ اس راز کو نہیں جانتی۔ لیکن آپ تو باخبر ہیں نا۔"[۲۷]

اسلام اسی لیے لے پالک اولاد جو نامحرم ہو پردے کا حکم دیتا ہے اور خاص طور لڑکی کے لیے حکم ہے کہ وہ گھر میں موجود تمام نامحرم لوگوں سے پردہ کرے۔ ماں کے دل کا شک اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ وہ اسی بیٹی سے نفرت کرنے لگتی ہے اور نہ صرف لے پالک بیٹی سے بلکہ اپنے خاوند سے بھی بے وجہ ہی شک کی بنا پر اسے نفرت ہونے لگتی ہے۔ انسان چاہے جتنا بھی خود کو سمجھالے، لیکن اگر کسی دل میں وہم آجائے تو اسے دور کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لے پالک بیٹی سے نفرت کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ وہ اپنی اولاد کے برابر نہیں سمجھتی

تھی اور نہ ہی کبھی اسے اپنی بیٹی ماننے کے لیے تیار تھی۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورت کی نسبت کھلے دل اور کھلے ذہن سے نوازا ہے جس وجہ سے باپ تو لے پالک اولاد کے ساتھ بھی وہی رویہ رکھ سکتا ہے جو اپنی اولاد کے ساتھ ہو یا پھر انسانیت کے ناطے ہمدردی کا رویہ ضرور رکھتا ہے لیکن عورت کے لیے ایسا کرنا آسان نہیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی پیدا کی ہوئی اولاد کے برابر کسی کو نہیں رکھ سکتی۔ عورت کی اسی نفسیات کی وجہ سے بہت سے گھروں میں مرد اور عورت کے درمیان زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر اختلاف پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ عورت کا اپنا ایک الگ ہی نظریہ ہوتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر معاملے میں مرد کی ہم خیال ہو۔ اکثر و بیشتر عورت کی فطرت کے حوالے یہی دیکھا گیا ہے کہ عورت مرد کی طرح باتوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

مرد چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیتا ہے جبکہ عورت کے دل میں وہ باتیں رہ جاتی ہیں جو وقت کے ساتھ ساتھ اس کی سوچ اور خیالات پر بھی اثر انداز ہوتی ہیں اور انھیں کا ردِ عمل اس کی باتوں اور عمل میں دکھائی دیتا ہے۔ اسی حوالے سے رفاقت جاوید عورت کی اس نفسیات کو بھی اپنے ناولوں میں نمایاں کرتی ہیں کہ اگر عورت میں بھی مرد کی طرح صبر اور برداشت کا مادہ زیادہ پایا جائے اور وہ باتوں کو دل میں نہ رکھے اور نظر انداز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو تو بہت سے خاندان بڑے بڑے مسائل کا شکار نہ ہوں اور میاں، بیوی کے درمیان کشیدگی بھی پیدا نہ ہو۔ جیسے اگر ایک نفسیاتی مسئلہ دیکھا جائے تو وہ شک ہے، مرد کی نسبت عورت زیادہ شکی مزاج ہوتی ہے اور ہر بات پر شک کرتی ہے اور اکثر شک کی وجہ سے دونوں کے درمیان ناچاکی یا مخالفت پیدا ہو جاتی ہے، بعض دفعہ یہ مخالفت اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ بات علیحدگی یا طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ اسی کیفیت کو ناول میں رفاقت جاوید نے یوں بیان کیا ہے:

> "باپ کے روپ میں شیطان ہیں آپ۔ آپ نے اُسے اپنے لیے جوان کیا تھا۔ وہ اک زہریلی ناگن جو مجھے ڈسنے کے لیے ایک سوتن جو میرے سہاگ کا بٹوارہ کرنے کے لیے تیار کر دی گئی ہے۔ میں اسے زہر کھلا کر مار دوں گی۔ وہ پھر نفرت سے چیخی۔ بکواس بند کرو ورنہ میں تمھیں طلاق دے کر حرم کو اپنے گھر میں ہی رکھ لوں گا۔"[۲۸]

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان چاند سے بھی آگے کی سوچ رکھتا ہے اور اس کی منزل شاید آسمانوں سے بھی پرے ہے۔ سائنس آنے والے ہر لمحے میں نئے نئے کرشمے دکھا رہی ہے اور انسان کامیابی کی بلندیوں کو چُھو رہا ہے۔ تعلیم کی شرح روز بروز بڑھ رہی ہے اور انسان جہالت کے اندھیروں سے باہر نکل رہا ہے۔ بدقسمتی سے انسان اس سب کے باوجود اخلاق قدریں کھو رہا ہے اور مادیت پرستی کی اس دوڑ میں وہ اس قدر تیز بھاگ رہا ہے کہ انسانیت دم توڑتی جا رہی ہے۔ برداشت اور صبر کا مادہ انسان سے اسی تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی لگن میں اسے یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا کے وہ اپنوں سے کوسوں دور نکل گیا ہے۔ آج اتنی کامیابیوں کے بعد ہونا تو یہ ہی چاہیے تھا کہ انسان کی زندگی پہلے سے زیادہ پرسکون ہوتی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ انسان غاروں سے نکل کر محلوں تک تو پہنچ گیا لیکن وہ معاشرہ قائم نہ کر سکا جس میں انسان کی قدر کی جائے۔ ادب ہر دور میں انسان کی اصلاح کے لیے کوشاں رہا اور معاشرے کو آیئنہ دکھانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب جب انسان نے مذہب سے دور ہوا معاشرے کا امن جاتا رہا۔ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں سے وہ مذہب ہے جس نے ایک ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھایا، جس کی بنیاد عدل وانصاف، اخوت، بھائی چارے اور محبت پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپؐ نے ایسے ہی معاشرے کی بنیاد رکھی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ مسلمان جب تک اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ان کی فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا اور ایک وقت تھا جب مسلمان پوری دنیا پر حکمران تھے۔ لیکن جیسے جیسے مسلمانوں نے اسلام کا دامن چھوڑا ان کے زوال کا بھی آغاز ہو گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے آج ساری دنیا میں وہی فاتح قوم جس نے دارا اور سکندر جیسے بادشاہوں کا تاج قدموں میں روندا تھا، شکست خوردہ حالت میں آگئی۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسلمان معاشرے کی تباہی اور مسائل کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔

پاکستان جو کے اسلامی ریاست ہے اور اسلام کے نام پر ہی حاصل کیا گیا تھا، بدقسمتی سے کتابوں اور کہانیوں تک تو اسلام باقی رہا لیکن عملی طور پر اسلام کہیں موجود نہیں۔ ادیبوں نے ادب کے ذریعے اس حقیقت کو معاشرے میں آشکار کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اور ہر صنف ادب میں یہ احساس دلانے کی کوشش کی کہ اسلام کے بغیر ہمارے معاشرے کی بقاء اور ترقی کی کوئی صورت نہیں۔ انھیں تمام لکھنے والوں میں رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناولوں کے ذریعے یہ کوشش کی ہے کہ سماج کو یہ باور کرایا جائے کے سماجی مسائل

کی بنیادی وجہ دینِ اسلام کی تعلیمات سے انحراف ہے۔ اگر آج بھی عملی طور پر اسلامی قوانین لاگو کر دیے جا ئیں اور پیارے آقا محمد ﷺ کی تعلیمات کو مشعلِ راہ بنایا جائے تو وہی پر امن اور پر عدل معاشرہ قائم کیا جا سکتا ہے جس میں ہر طرف محبت اور بھائی چارے کی مثالیں ملتی تھی۔

# حوالہ جات


۱.   المقدمہ، ابن خلدون، مطبوعہ بیروت، ص۴۹

۲.   القرآن، "سورۃ التحریم" آیت نمبر۰۶ /۶۶، تاج کمپنی، لاہور

۳.   القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴ /۱، تاج کمپنی، لاہور

۴.   سید ابو اعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۹، ص ۱۲۰

۵.   امام مسلم، صحیح مسلم، حدیث ۱۶۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ص ۳/ ۱۲۵۵

۶.   القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴ / ۳۴، تاج کمپنی، لاہور

۷.   سابق مصری، سید، خاندانی نظام، مکتبہ اسلامیہ حادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور، ۲۰۱۵ء، ص:۲۳۶

۸.   سید ابو اعلیٰ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۹ء، ص ۴۰۳-۴۰۵

۹.   القرآن، "سورۃ الشوریٰ" آیت نمبر ۴۲ /۱۱، تاج کمپنی، لاہور

۱۰.   رفاقت جاوید، رنگِ خلش، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۱۸

۱۱.   ایضاً، ص ۸۷

۱۲.   ایضاً، ص ۱۲

۱۳.   رفاقت جاوید، حوا کے روپ ہزار، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۲۱

۱۴.   رفاقت جاوید، رنگِ خلش، ص ۳۵

۱۵.   ایضاً، ص ۶۰

۱۶. ایضاً، ص۴۶

۱۷. ایضاً، ص۴۳

۱۸. رفاقت جاوید، ریشم کے دھاگے، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۲

۱۹. رفاقت جاوید، رنگِ خلش، ص۵۶

۲۰. ایضاً، ص۷۸

۲۱. **القرآن، "سورۃ الاحزاب"، آیت ۵، تاج کمپنی، لاہور**

۲۲. صحیح بخاری، ص ۵۳۳، حدیث ۶۷۶۶، مطبوعہ لاہور

۲۳. **القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴ / ۲۳، تاج کمپنی، لاہور**

۲۴. رفاقت جاوید، حوا کے روپ ہزار، ص ۲۵۶

۲۵. ایضاً، ص۸۶

۲۶. ایضاً، ص۲۲

۲۷. ایضاً، ص۲۳۷

۲۸. ایضاً، ص۲۶۵

باب سوّم:

# رفاقت جاوید کے ناولوں میں سماجی اصلاح کے تناظر میں قانونی مسائل کی پیش کش

کسی معاشرے کی بقااور ترقی کے لیے لازم ہے کہ وہاں قانون کی بالادستی ہو کیونکہ قوانین ہی ایک پر امن اور متوازن معاشرے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ جو قومیں اپنی روایات اور قوانین سے روگردانی کرتیں ہیں وہ فنا ہو جاتی ہیں۔ معاشرے کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں۔ جن کی بنیاد عدل وانصاف پر قائم ہو۔ کوئی معاشرہ قوانین کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ کسی معاشرے کے قوانین ہی اس میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں اور یہی نظم وضبط انسانوں اور حیوانوں میں فرق کرتا ہے۔ کسی بھی ریاست کی ترقی کا انحصار بھی اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ وہاں قانوں کی کتنی پاسداری کی جاتی ہے۔ تہذیب یافتہ معاشروں نے قانون پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا میں ایک مقام پیدا کیا ہے۔ قانون توڑنے اور اُصول وضوابط کا احترام نہ کرنے سے افرا تفری پھیل جاتی ہے، جس کی بنا پر نہ صرف افراد کا سکون برباد ہو جاتا ہے، بلکہ سارے معاشرے اور قوم کی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔ زندگی گزارنے کے لیے جیسے جیسے انسان نے ترقی کی ہے ویسے ویسے اس کے رہن سہن، تہذیب و تمدن میں بھی تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں۔ اللہ پاک نے کائنات پیدا کی اور اانسان کو اپنی اطاعت اور بندگی کے لیے پیدا کیا، اس کی اصلاح کے لیے انبیاء کو بھیجا تاکہ وہ انسان کو حق اور باطل کا فرق بتادیں۔ کسی بھی معاشرے میں مختلف طبقہ فکر اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہوتے اس لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے امن کے لیے ایسے قوانین ہوں جو تمام طبقوں اور مذاہب کے لوگوں کو تحفظ مہیا کرتے ہوں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے اور اسلام کے نام پر ہی حاصل کیا گیا تھا۔ اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس میں تمام انسانوں کے لیے محبت اور سلامتی کا درس ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو ایک ایسا معاشرہ قائم کرنے کا حکم دیتا ہے جس کی بنیاد اسلامی قوانین پر ہو۔ جہاں عدل و انصاف ، بھائی چارہ اور اخوت کی فضا قائم ہو۔ مظلوموں کو ان کا حق ملے اور ظالموں کے خلاف اللہ کی خوشنودی کے لیے جہاد کیا جائے۔ آج دنیا بھر میں

مسلمانوں کے زوال کی بنیادی وجہ دینِ اسلام سے دوری ہے۔ ہم نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت سے روگردانی کی تو زوال ہمارا مقدر ہوا، اس لیے مذہبِ اسلام نے مسلمانوں کو قانون کا احترام اور پابندی کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کے اسلام ایک آفاقی دین ہے اور قیامت تک رہتی دنیا کے لیے ہدایت اور کامیابی اسی دین میں ہے۔ لیکن کسی بھی معاشرے یا ملک میں تمام مذاہب کے لوگ موجود ہوتے ہیں اس لیے ریاست ایسے قوانین بناتی ہیں جو معاشرے کے تمام افراد کے لیے یکساں مفید ہوں اور کسی کی کوئی حق تلفی نہ ہو، تاکہ معاشرے کا امن خراب نہ ہو۔ پاکستان چونکہ اسلامی ریاست ہے تو اس کے قوانین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی مرتب کیے گئے ہیں۔ کسی بھی ملک یا ریاست کا آئین ہی ایسے قوانین مرتب کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے معاشرے میں موجود ہر فرد کی جان و مال کی حفاظت کی جا سکے۔ جرم اور سزا کا اسلامی قانون اور اسلامی فلسفہ سماج میں عدل، مساوات، امن اور سلامتی کا ضامن ہے۔ اسلامی قانون اور اسلامی شریعت ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں، موجودہ دور میں بدامنی، انتہاپسندی، لاقانونیت اور دہشت گردی کی بنیادی وجہ اسلامی شریعت سے انحراف اور اسلامی قوانین پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون معاشرے کی فلاح کا ضامن ہے اور اس میں معاشرے کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسلامی معاشرے میں نماز میں قانون کی پابندی کی خوبصورت تصویر موجود ہے، ایک صف میں کھڑے ہو کر ایک قبلے کی طرف رُخ کر کے ایک امام کی اقتداء میں قیام، رکوع اور سجود، زید، عمرو بکر، محمود و ایاز سب مل کر ہمیں قانون کی پابندی سکھاتے ہیں اور دلوں میں احترامِ قانون کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں اسلامی تعلیمات موجود نہ ہوں، اللہ پاک نے قرآن مجید میں زندگی گزارنے کے تمام اصول اور قوانین واضح کر دیے ہیں جن سے نہ صرف مسلمان بلکہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھنے والا انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اسلام نے معاشرے کے امن کے لیے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ عدل و انصاف ہے۔ جب تک غریب سے امیر سب ریاستی قوانین کا احترام نہیں کرے گے تب تک معاشرے میں امن و امان قائم نہ ہو پائے گا اور ان قوانین پر عمل درآمد کرانے کی ایک ہی صورت ہے اور وہ عدل وانصاف ہے۔ اگر امیر اور بااثر لوگوں کو بھی قانون کے تابع کیا جائے گا تو ہی معاشرے میں امن قائم ہو گا اور یہ صرف اسی وقت ممکن ہو گا جب قانون کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے امیروں

اور بااثر لوگوں کے ساتھ بھی جزاو سزا کا وہی معاملہ کیا جائے جو غریب اور عام لوگوں کے لیے ہو۔ قرآن پاک میں اسی لیے اللہ پاک نے انسانوں کو اپنی اطاعت کا حکم دیا ہے اور اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔''(۱)

## ا۔ علیحدگی کی صورت میں بچوں کی کفالت:

کوئی بھی معاشرہ اپنے مضبوط عائلی نظام پر ہی قائم رہ سکتا ہے۔ کیونکہ خاندان ہی مل کر ایک معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔ رفاقت جاوید عائلی نظام کی ان کمزوریوں اور مسائل کو نمایاں کرتی ہیں جن سے کوئی بھی معاشرہ بربادی کی طرف بڑھتا ہے۔ اگر کسی خاندان میں میاں، بیوی کے درمیان علیحدگی یا طلاق ہو جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کے ان کی اولاد پر اس کے برے اثرات مرتب نہ ہوں اس لیے رفاقت جاوید ان نفسیاتی مسائل پر بہت زور دیتی ہیں جن سے غلط فہمیاں بڑھتی ہیں اور بات علیحدگی تک جا پہنچتی ہے۔ اگر اسلامی تعلیمات کو دیکھا جائے تو اللہ کے نزدیک نکاح کی بے تحاشا فضیلت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس میں بہت برکت بھی رکھی ہے لیکن ساتھ ساتھ اگر میاں، بیوی کے زہنی ہم آہنگی نہ ہو پائے یا کسی بھی وجہ سے دونوں اکٹھے نہ رہنا چاہیں تو اسلام زبردستی نہیں کرتا بلکہ دونوں کو حق دیتا ہے کہ وہ چاہیں تو الگ ہو جائیں اور خلع یا طلاق کا حق اسلام نے رکھا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی بالکل واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلع یا طلاق کو پسند نہیں فرمایا۔ اسلام جس طرح میاں، بیوی کو علیحدگی کا شرعی حق دیتا ہے اسی طرح ہمارے ملک کا آہین بھی قانونی طور پر اس کی اجازت دیتا ہے۔

والدین کی علیحدگی کی صورت میں اولاد کے حوالے سے شریعت اور آہین کے قوانین موجود ہیں جن پر عمل درآمد کرنا ضروری ہے۔ ایسی صورت بچے بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کی مکمل کردار سازی ممکن نہیں رہتی، رفاقت جاوید اسی صورتحال کو بیان کرتی ہیں اور علیحدگی کی بعد بچوں کی نفسیاتی کیفیت کو کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں:

"اور اپنے بال نوچتے ہوئے ماں سے کبھی نہ ملنے کا خود سے تہیہ کر لیتی۔ جس نے اس پر ستم گری کی تھی جبکہ ضد باپ سے تھی۔ انتقام اس سے کس خوبصورتی سے لے لیا گیا تھا۔"(۲)

بچوں کو ماں اور باپ دونوں کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن بد قسمتی سے موجودہ دور میں صورتحا ل ایسی ہے کہ معمولی سی بات پر بچوں کی پرواکیے بغیر بات علیحدگی یا طلاق تک جا پہنچتی ہے۔ رفاقت جاوید بھی دوسرے ادیبوں کی طرح معاشرے پر ایک گہری اور تنقیدی نگاہ رکھتی ہیں اور ان مسائل اور حقائق کو منظرِ عام پر لاتی ہیں جن سے ہمارا معاشرہ انتشار کا شکار ہو رہا ہے۔ ان کے نزدیک میاں، بیوی کی علیحدگی میں بھی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے اگر مرد اور عورت پوری ایمانداری سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں تو کبھی ایسے اختلافات پیدا نہ ہو جو طلاق کا سبب بنیں۔ بہر حال اگر میاں، بیوی دونوں کسی صورت بھی اکٹھے نہ رہنا چاہیں تو ایسی ہی صورت میں طلاق کا حق ہمارے دین اور قانون نے رکھا ہے۔ لیکن جب عورت طلاق لے کر اپنے ماں باپ کے گھر آجائے واپس تو اس کی وہ عزت باقی نہیں رہتی جو نکاح سے پہلے تھی۔ اس بارے میں رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

> "جب عورت طلاق لے کر واپس اپنے میکے آجاتی ہے تو اس کی مثال ایک لذیذ اور مزے دار دیگ کی سے ہوتی ہے جو ڈھکنے کے بغیر ہر ایک کو اپنی مہک سے اپنی طرف بلاتی ہے۔"(۳)

اسلامی احکامات کے مطابق جب والدین کے درمیان علیحدگی ہو جائے اوران کی کوئی اولاد ہو اس صورت میں باپ سے زیادہ ماں کو اولاد کا حق ہے جب تک کہ کوئی مانع نہ پایا جائے اور یا پھر بچے میں کوئی وصف ہو جو اختیار کا تقاضہ کرے۔

باپ کے مقابلے میں ماں کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ماں کو ہی بچے کی پرورش اور رضاعت کا حق حاصل ہے، کیونکہ وہ بچے کی تربیت کرنا زیادہ جانتی ہے اوراسے اس پر قدرت بھی زیادہ حاصل ہوتی ہے اوراسی طرح اس معاملے میں صبر کرنے کی بھی گنجائش ہوتی ہے جو کہ مرد کے پاس نہیں اور ماں کے پاس تربیت کے لیے وقت بھی زیادہ ہوتا ہے جو کہ مرد کے پاس نہیں ہوتا اس لیے بچے کی مصلحت کو مد نظر رکھتے ہوئے ماں کو پرورش اور تربیت کے لیے مقدم کیا گیا ہے۔

پاکستان میں عائلی مسائل کے حوالے سے قوانین موجود ہیں جو میاں، بیوی اور بچوں کے مسائل کو عدالتی طور پر حل کرتے ہیں۔ ان میں مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ جو جناب ایوب خان کے دور میں تشکیل دیا

گیا۔ اس قانون میں عائلی مسائل کے حوالے سے بہت سے نکات شامل ہیں۔ جن میں سے اہم نکات درج ذیل ہیں:

"نکاح کو یونین کونسل میں رجسٹر کرانا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پہلی بیوی اور یونین کونسل کے چیرمین کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کی ممانعت کر دی گئی۔ شادی کے لیے لڑکے کی عمر ۱۸ سال اور لڑکی کی عمر ۱۶ سال مقرر کی گئی ہے۔ طلاق وغیرہ کی صورت میں مدت عدت ۹۰ دن مقرر کی گئی ہے۔"[۴]

علیحدگی یا طلاق کی صورت میں بچوں کے حوالے سے دو اہم نکات ہیں جو شرعی اور قانونی طور پر موجود ہیں۔

۱. حضانت

۲. کفالت

**حضانت** سے مراد بچوں کی سرپرستی اور ان کی دیکھ بھال کے ہیں۔ بچوں کی حضانت اور سرپرستی سے مراد ان کی مناسب تربیت کرنا اور ان کے کھانے پینے اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جب تک ماں باپ دونوں اکٹھے زندگی گزار رہے ہوں تو بچوں کی سرپرستی ان دونوں کی ذمہ داری ہے۔ اگر ماں، باپ میں علیحدگی یا طلاق ہو جائے تو بچوں کی حضانت کسے دی جائے گی اس حوالے سے اگر اسلامی قوانین کو دیکھا جائے تو عورتوں کو اس میں مردوں پر ترجیح دی جاتی ہے کیونکہ ماں، باپ کی نسبت زیادہ شفیق اور مہربان ہوتی ہے اور چھوٹے بچوں کی تربیت زیادہ بہتر ماں ہی کر سکتی ہے۔ اس حوالے سے حدیث پاک ہے:

"ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر عرض کرنے لگی، یارسول ﷺ میرا یہ بیٹا، میرا شکم اس کا برتن بنا رہا، میرے سینے سے یہ سیراب ہوتا رہا اور میری گود اس کی پرورش گاہ رہی، اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی اور اب مجھ سے بیٹا بھی چھیننا چاہتا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو بیٹے کی زیادہ حقدار ہے جب تک تو آگے کہیں نکاح نہیں کرتی۔"[۵]

پاکستانی لاء، گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰ (Guardian and ward act 1890) کے مطابق علیحدگی یا طلاق کی صورت میں اہم نکات درج ذیل ہیں:

"ماں بیٹے کو سات سال اور بیٹی کو بلوغت تک ساتھ رکھ سکتی ہے۔ لیکن اگر عورت کے کردار پر کوئی شکوک و شبہات ہوں یا پھر عورت دوسرا نکاح کر لے تو بچے باپ کے سپرد کر دیے جائیں گے۔ حضانت میں بچے دونوں میں سے جس کے پاس بھی ہوں، ایک دوسرے کو بچوں سے ملنے کی اجازت ہو گی۔حضانت کے دوران بچے ماں کے پاس ہوں یا باپ کے پاس دونوں صورتوں میں بچوں کے اخراجات کی ذمہ داری باپ کی ہو گی۔عدت کے دوران بیوی کے اخراجات کی زمہ داری بھی شوہر پر ہی ہو گی۔"(٦)

اِسلام آغاز سے ہی امن و سلامتی پر قائم معاشرے اور ریاست کی تشکیل کا خواہاں رہا ہے۔اور ایک ایسے معاشرے کا متمنی ہے، جہاں ہر شخص کی بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ہو اور معاشرے کے افراد امن و سلامتی کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔یہی وجہ ہے اس نے فلاح و بہبود کے حصول کو یقینی بنانے کے لیے افراد کو ایک دوسرے کی کفالت کا ذمہ دار بنایا اور اُنہیں اِس کی طرف راغب کرنے کے لیے اجر و ثواب کا وعدہ بھی کیا۔اولاد اگر چھوٹی ہے تو اُس کے نان و نفقہ اور دیگر اخراجات والدین پر ہیں،والدین کے بوڑھے و ناتواں ہو جانے کے بعد یہی ذمہ داری اولاد کو منتقل ہو جاتی ہے۔

بیوی کی تمام تر معاشی ضرورتوں کے لیے حسبِ توفیق شوہر کو ذمہ دار قرار دے دیا گیا اور یتیم بچے کی کفالت کی ذمہ داری قریبی رشتہ داروں اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں دیگر افرادِ معاشرہ پر ڈال دی گئی۔یہ تو انفرادی سطح پر کفالت کا تصور ہے،اِسے ''کفالتِ خاصہ'' کہتے ہیں۔

بچوں کی کفالت سے مراد ان کی بہتر پرورش اور ان کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اخراجات کے ہیں۔اسلام یہ ذمہ داری باپ پر عائد کرتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اچھی پرورش کے لیے ان کی تمام ضروریات پوری کرے۔اس حساب سے بچوں کے کھانے پینے، تعلیم اور دیگر تمام اخراجات مرد کی ذمہ داری ہیں۔اگر کسی وجہ سے بھی میاں اور بیوی میں علیحدگی یا طلاق ہو جاتی ہے تو اسلام اور پاکستانی قانون ایسی صورت میں بچوں کی کفالت کی ذمہ داری باپ کو ہی دیتا ہے۔بچے باپ کے پاس رہیں یا ماں کے پاس دونوں صورتوں میں کفالت کی ذمہ داری باپ کی ہے۔باپ ماہانہ طور پر ان کا خرچہ ادا کرنے کا پابند ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اور مطلقہ عورتوں کو دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا چاہیے۔ جو کہ پرہیز گاروں پر اللہ کی طرف سے حق متعین کردیا گیا ہے۔"(۷)

پاکستانی قانون کے مطابق ماہانہ خرچ کی رقم کا تعین عدالت کرتی ہے۔

فیملی مینٹیننس کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴ کے سیکشن ۱۷ (Family maintenance court act ۱۹۶۴, section 17) کے مطابق اہم نکات درج ذیل ہیں:

"فیملی کورٹ ایکٹ ۱۹۶۴، سیکشن A-۱۷ کے تحت بچوں کے باپ کو ہر ماہ کی ۱۴ تاریخ تک مقرر شدہ نان ونفقہ عدالت میں جمع کرانا ہوگا بصورت دیگر عدالت مرد کا حق دفاع اور کسٹڈی کا حق ختم کردے گی۔ عدالت کیس کی پہلی پیشی پر ہی نان ونفقہ طے کردے گی جو اسی وقت سے شروع ہو جائے گا۔ عدالت مرد کی آمدن کی تفصیلات حاصل کرنے کے لیے کسی بھی ادارے یا فرم سے رجوع کرسکتی ہے۔ جو بھی نان ونفقہ طے پائے گا اس پر سالانہ دس فیصد اضافہ ہوگا اور اگر عدالت چاہے تو دس فیصد سے زیادہ بھی کرسکتی ہے۔"(۸)

والدین کی علیحدگی کی صورت میں بچے اس ماحول سے محروم ہو جاتے ہیں جہاں انھیں ماں اور باپ دونوں کی محبت اور شفقت ایک ساتھ نصیب تھی، جس سے بچے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور خود والدین کے زندگی میں بھی بے سکونی رہتی ہے اور زہنی تناؤ کی وجہ سے یہ ممکن ہی نہیں کے بچوں کی اچھی تربیت کی جاسکے، اس سے فرق نہیں پڑتا کے وہ کس کے پاس ہیں، اسی کیفیت کو رفاقت جاوید یوں بیان کرتی ہیں:

"طلاق کے بعد تمھارا اس کی جائیداد اور دولت میں کوئی حق نہیں اور نہ ہی بچے تمھاری کسٹڈی میں جاسکتے ہیں، کیونکہ چاروں بچے قانوناً باپ کی ذمہ داری ہیں، بچے اپنی رضامندی کے قابل ہوچکے ہیں۔ اب ان پر تمھارا اختیار نہیں۔ باپ کو تم روک نہیں سکتی۔"(۹)

رفاقت جاوید اپنے ناول کے ذریعے اس مسئلے کو بھی نمایاں کرتی ہیں کہ جذبات یا غصہ میں آ کر میاں، بیوی علیحدگی کا فیصلہ تو کر لیتے ہیں مگر پھر بعد میں انھیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس کے کتنے منفی اثرات ان دونوں کی زندگی پر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ناچاکی کی وجہ سے اپنے بچوں سے بھی دور ہو جاتے ہیں۔ ان کے بچے بھی ان کی اس غلطی کی سزا ساری عمر سہتے رہتے ہیں۔ اسلام بھی یہی تنبیہ کرتا ہے کہ میاں، بیوی کے درمیان صلح کرائی جائے تاکہ ایک خاندان بکھرنے سے بچ جائے۔ رفاقت جاوید ان قانونی مسائل کو عام عوام کے سامنے پیش کرتی ہیں جن کا تعلق ہر گھر سے ہے اور پھر ان کی اصلاح کا طریقہ اسلام کی پیروی کی صورت میں بتاتی ہیں۔ میاں، بیوی کے درمیان ناچاکی کی بہت سے وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ایک وجہ بے اولادی ہے۔ اولاد پر انسان کا زور نہیں ہے یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ بغیر تحقیق کیے ہی بے اولادی کا قصوروار عورت کو ٹھہرا کر یا تو اسے طلاق دے دی جاتی ہے یا پھر مرد اپنے افزائشِ نسل کے لیے دوسری شادی کی صورت میں ایک سوتن لا کر پہلی بیوی کہ سر پر بیٹھا دیتا ہے۔ پھر ایسی عورت جو اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ اسے پاؤں کی جوتی بنا دیا جاتا ہے۔ رفاقت جاوید اپنی کہانیوں میں بیک وقت بہت سے سماجی مسائل کو نمایاں کرتی ہیں۔ ان میں ایک مسئلہ ایسی صورت میں سوتن کا بھی ہے۔ عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنی جگہ کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی اس لیے جب اس کا مقام کسی اور کو دے دیا جائے تو وہ بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو کر اپنے دل سے رحم کھو بیٹھتی ہے پھر اس کے انتقام اور غصہ سے بہت سے بے گناہ لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام مرد کو چار شادیوں کی اجازت تو دیتا ہے لیکن یہ شرط بھی رکھتا ہے کہ اگر وہ سب کے حقوق برابری کے ساتھ پورے کر سکے تو وہ ایک سے زیادہ شادیاں کرے۔ عورت مجبور ہو کر یا اولاد نہ ہونے کے دباؤ میں مرد کو دوسری شادی کی اجازت تو دے دیتی ہے لیکن ایسا ممکن ہی نہیں کہ وہ دوسری عورت کو سوتن کے روپ میں دل سے قبول کر لے۔ یہ عورت کی فطرت میں ہی نہیں تو وہ کیسے کر سکتی ہے۔ اور یہ بھی بالکل واضح ہے کہ مرد بھی اولاد کی چاہت میں دوسری شادی تو کر لیتا ہے لیکن ایسا بھی آسان نہیں کہ وہ پہلی بیوی کو بھی وہی مقام، عزت اور حق دے سکے جو دوسری شادی سے پہلے دیتا رہا ہے۔ رفاقت جاوید جہاں عورت کے حقوق کی بات کرتی ہیں وہاں ایسا نہیں کہ وہ مرد کے حقوق کو نظر انداز کرتی ہیں بلکہ وہ اس مسئلے کی طرف توجہ دلاتی ہیں کے اگر ایسی صورتحال ہو تو مرد اور عورت دونوں کے لیے اسلامی تعلیمات موجود ہیں۔ خود ہمارے پیارے آقا نے شادیاں کی اور ہمارے لیے سب سے بڑے ہادی آپؐ

خود ہیں۔اسی طرح ازواجِ مطہرات نے بھی ایسی مثال قائم کی جو رہتی دنیا تک تمام عورتوں کے لیے رہنمائی ہے۔رفاقت جاوید اس حقیقت کو بیان کرتی ہیں جو ہمارے ہی معاشرے کا سچ ہے اور کس طرح معاشرے میں انسان کی تذلیل کی جارہی ہے۔اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> "یہ یاد رکھو کہ دوسری بیوی کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔نہ ماں، نہ بہن اور نہ ہی دوست یار اور رشتہ دار۔پہلی بے اولاد بیوی تو ٹھہری پاؤں کی جوتی اتار کر پھینکنا کون سی مشکل بات ہے۔"(۱۰)

اگر کوئی عورت بھانجھ ہے اور اولاد پیدا نہیں کرسکتی اس میں اس کا کوئی قصور نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے وہی جانتا ہے کہ یہ فرق کیوں رکھا گیا ہے۔ہمارا معاشرہ ہے تو اسلامی معاشرہ اور ہم اسلام کے دعوے دار تو ہیں لیکن اسلامی تعلیمات پر عمل نہیں کرتے۔کیونکہ اسلام سب سے پہلے محبت اور انسانیت کا درس دیتا ہے لیکن ہم دور جاہلیت کی آج بھی عورت کو گھر کی باندی یا استعمال کی کوئی چیز ہی سمجھتے ہیں۔عورت کو وہ مقام نہ دے کر جو قانون اور شریعت اسے دیتی ہے، ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ ہماری آنے والی نسل تہذیب یافتہ بھی ہوں اور اس کی تربیت بھی عمدہ طریقوں سے کی جائے۔اولاد کے معاملے میں اپنی تمام تر نااہلیاں بھی عورت کے ذمہ ڈال کر خود کو یہ کہہ کر بری کرلیتے ہیں کہ ماں نے اس کی تربیت اچھی نہیں کی۔سارا قصور ہی ماں کا ہے۔جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جب میاں، بیوی کو عزت اور احترام دے گا تو ہی اس کی اولاد بھی اپنی ماں کی عزت و تعظیم کرے گی اور آگے چل کر وہی اولاد معاشرے میں دوسری عورتوں کی بھی عزت کرے گی۔سوتیلی ماں اگر اچھی ہو بھی تو سوتیلی ہی کہلاتی ہے اور وہ جتنا کوشش بھی کرلے سگی ماں والا رتبہ یا مقام حاصل نہیں کرسکتی۔اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسی گھر میں جہاں وہ بیاہ کر آئی تھی اور اپنے والدین کو یقین دلا کر آئی تھی کہ اب اُس گھر سے اس کا جنازہ ہی اٹھے گا۔اُس گھر میں اس کی جگہ باقی نہیں رہتی اور وہی لوگ جو کبھی اس کے اپنے تھے آج اس نفرت کرنے لگتے ہیں اور وہ خود کو ایک بیکار چیز سمجھنے لگتی ہے۔اپنی زندگی اور وجود بھی اسے بوجھ محسوس ہونے لگتا ہے۔اس حوالے سے رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

> "مامی! اگر آپ آج اپنے بھائیوں کے پاس نہ گئیں تو کل گلنار آپ کو رخصت کرکے چھوڑے گی۔وارث کی ماں تو وہ ہے آپ نہیں۔بہتر ہے ابھی سے کنارہ کشی کا سوچیں۔ایسے رزق، وقار اور پہچان کا کیا فائدہ کہ یہی

نعمتیں آپ کے پاؤں کی زنجیر بنی ہوئی ہیں۔ لات ماریں ان سب پر اور چلی
جائیں اپنے بھائیوں کے پاس۔ آپ کی نسوانی عزت اور خاندانی وقار اسی میں
ہے۔"(۱۱)

## ۲۔ وراثت میں عورت کا مسئلہ:

رفاقت جاوید نے اپنے ناولوں میں ان قانونی مسائل کی طرف معاشرے کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جن کو نظر انداز کرنے سے معاشرے کا استحکام خطرے میں ہے۔ ان مسائل کو نہ صرف ہمارا مذہب بیان کرتا ہے بلکہ ہمارا ملکی قانون بھی ان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم مسائل وراثت کے ہیں۔ وراثت کے قوانین کسی بھی ملک یا ریاست کی قانون سازی کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ وراثت ہی کے ذریعے کسی مرنے والے کی جائیداد منصفانہ طور پر دوسروں تک منتقل کی جا سکتی ہے۔ پاکستان جیسے کئی اور ممالک میں بہت سے لوگوں کا کاروبارِ زندگی کا انحصار اسی وراثتی جائیداد پر ہوتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اس لیے اس میں وراثتی قوانین قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق رائج ہیں لیکن بد قسمتی سے پاکستان میں عملی صورتحال یہ ہے کہ عورتوں کو اکثر و بیشتر ان کے شرعی اور قانونی حقِ وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کو ان کے اس حق سے محروم رکھنے سے معاشرے بہت سے اور مسائل کا شکار ہو جاتا ہے، اس کا سب سے بڑا ردِ عمل بدامنی کی صورت میں سامنے آتا ہے اور خونی رشتے بھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔

اسلام سے قبل دور جاہلیت میں عربوں کی نظر میں عورت خود مال کی حیثیت رکھتی تھی جسے وراثت کے طور پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مرنے والے کی میراث صرف طاقتور مردوں کو ملتی تھی، نابالغ بچوں اور عورتوں کو محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں وراثت کی تقسیم ان ہی اسباب کی بناء پر ہوتی رہی جن کے ذریعے دور جاہلیت میں ہوتی تھی۔ اسلام نے شروع میں لوگوں کو ان کی سابقہ حالت پر چھوڑ رکھا لیکن پھر دور جاہلیت کے طریقے کو منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ منصفانہ نظام اور مکمل اصول و ضوابط مقرر کر دیے۔

قرآن پاک میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

"اور جو مال ماں، باپ اور قریبی رشتے دار چھوڑ کر مر جائیں تھوڑا ہو یا بہت
ان میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کے بھی حصے اللہ کے مقرر کیے
ہوئے ہیں۔"(۱۲)

اسی طرح اللہ پاک نے ایک اور جگہ وراثت کی تقسیم میں عورتوں کے حصے کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

"اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں کہ ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے"(۱۳)

قرآن کی ان آیات سے وراثت میں عورتوں کا حصہ اور حق بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ پاک نے وراثت کے حوالے سے ایسا قاعدہ بتا دیا جس میں لڑکے اور لڑکیوں دونوں کو حصہ ہے اور دونوں کے حصے مقرر بھی کر دیے تاکہ تقسیم وراثت میں کسی قسم کے شکوک و شبہات باقی نہ رہیں۔ لیکن شرعی اور قانونی حق ہونے کے باوجود یہ دیکھا گیا ہے کہ عورتوں کو ان کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے جس سے آگے چل کر بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔ اگر والدین اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد کی شریعت کے مطابق منصفانہ تقسیم کر دیں تو ان کی وفات کے بعد ان کی نسل کسی انتشار اور لڑائی جھگڑے کا شکار نہیں ہو گی۔ رفاقت جاوید نے اپنے ناولوں کے ذریعے ایسے تمام سماجی مسائل کو معاشرے کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے جنھیں عام طور پر نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان کے منفی اثرات جو کسی بھی معاشرے کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں ان اسباب کو بھی نمایاں کیا ہے۔ رفاقت جاوید کے مطابق ان تمام مسائل کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ اسلام وہ واحد دین ہے جو انسانوں کو مکمل ضابطہ حیات مہیا کرتا ہے۔

وراثت کے حوالے سے اسلام نے مرد کے ساتھ عورت کو بھی میراث میں حصہ دیا ہے لیکن عورت کے حصے کے تناسب میں فرق ہے اور اس میں بھی کئی حکمتیں اور اجتماعی مصالح پوشیدہ ہیں۔ تقسیم کے اس تناسب کے حوالے سے بہت سے علماء، مفسرین، اور فقہا نے مرد و عورت کے حصوں کی حکمت کو اپنی بصیرت کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس حوالے سے علامہ ابنِ کثیر مرد اور عورت کے اس فرق میں پوشیدہ حکمت کو یوں بیان کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے دونوں کے حصوں میں فرق اس لیے رکھا ہے کہ مردوں کے ذمے جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمے نہیں جیسے اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور دیگر اخراجات کی کفالت اور کسب اور مشقیں، اس

لیے انہیں (مردوں کو) ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دوگنا دلوایا۔"(۱۴)

اگر ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مرد کی ذمہ داریاں عورت سے کئی زیادہ ہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ خود عورت کی ضروریات اور اس کی حفاظت بھی شرعی اور قانونی طور پر مرد کی زمہ داری ہے۔ اسلام نکاح کی صورت میں بیوی کو جو مقام عطا کرتا ہے وہ کوئی اور مذہب عطا نہیں کرتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ مرد پر یہ ذمہ داری بھی عائد کرتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرے اور اس کے رہن سہن اور ضروریات کا مکمل خیال رکھے۔ اس بارے میں اسلام عورت اور مرد دونوں کے ذمہ داریوں کو بالکل واضح بیان کرتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو مرد کا حصہ دوگنا رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ تقسیم وراثت کے اس تناسب کے حوالے سے شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

"حقوق کی حفاظت و حمایت مردوں کا کام ہے اور مرد کو کئی ایک موقعوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ ہمیشہ مصارف کے زیرِ بار رہتے ہیں۔ اس لیے مناسب اور قرین صواب یہی ہے کہ میراث میں انھی کو زیادہ مستحق سمجھا جائے۔"(۱۵)

مذکورہ بالا تمام دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام عورت کو وراثت میں اسی طرح حصہ عطا کرتا ہے جیسے مرد کا ہے اور اگر اس سے انکار کیا جائے یا عورت کو کسی بھی وجہ سے اس کا حق ادا نہ کیا جائے گا تو کسی بھی صورت میں ایک پر امن معاشرے کا قیام ممکن نہیں ہو گا۔ رفاقت جاوید وراثت میں عورت کے حق کے اسی مسئلے کو بیان کرتی ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال سے معاشرے کو خبردار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ یہ عورت کا شرعی اور قانونی حق ہے جس سے اگر اسے محروم رکھا جائے گا تو رشتوں اور معاشرے دونوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اسلامی شریعت کے مطابق عورت مختلف حیثیتوں میں وراثت کی حق دار قراد دی گئی ہے، البتہ یہ لازمی نہیں کہ ہر صُورت اور ہر حیثیت میں خاتون وراثت پائے۔ یہ مختلف حیثیت ماں، بیٹی، بیوی،، دادی، نانی،، پوتی، نواسی، بہن (سگی، باپ شریک، ماں شریک)، پھوپھی اور خالہ کی ہیں۔ ان میں سے کچھ رشتوں کے حصّوں کا تناسب قرآنِ پاک اور سنّتِ رسول ﷺ نے طے کر دیا ہے، جسے بدلہ نہیں جا سکتا۔ البتہ، خواتین کے چند رشتے ایسے بھی ہیں، جہاں وہ قریبی

ہونے کے باوجود میراث کی حق دار نہیں ہوتیں۔ جیسے سوتیلی بیٹی، سوتیلی ماں، بہو، ساس، نند، چچی، بھابھی اور ممانی وغیرہ۔ کیوں کہ ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا اور ان سب کا تعلق دوسرے خاندان سے ہوتا ہے، جہاں سے وہ حصّہ پاتی ہیں۔ نیز، رضاعت کے رشتے بھی وراثت کے حق دار نہیں۔ اِسی طرح منہ بولی بیٹی ہو یا بیٹا، لے پالک بیٹی یا بیٹے کا بھی وراثت میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔

رفاقت جاوید کے نزدیک اگر والدین اپنی زندگی میں ہی اپنے بچوں کے وراثتی حق کو واضع کر دیں تو اولاد میں دوریاں نہیں پیدا ہوں گی اور والدین کی وفات کے بعد بھی بہن بھائیوں کے درمیان لحاظ کا ایک رشتہ قائم رہے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر وراثت کے تقسیم منصفانہ نہ کی جائے گی تو خاندان میں انتشار پیدا ہو جائے گا جو نسلوں تک نفرت کی شکل میں پھیلتا رہے گا۔ اس حوالے سے رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

"میں فطرتاًہی امن پسند عورت ہوں۔ اگر جھگڑوں اور بحث مباحثوں میں پڑتی اپنی جائیداد کے حصول کے لیے عدالت کا سہارا لیتی تو تم دونوں بچے تباہی و بربادی کا شکار ہو چکے ہوتے۔"[۱۶]

قانون اور اسلام عورت کے حق وراثت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن پاکستان میں عملی صورتحال بالکل مختلف ہے۔ خاندان میں یہی کوشش کی جاتی ہے کہ کارخانے اور کاروبار تو بیٹوں کو ہی ملیں اور بیٹیوں کو جہیز دے دیا جائے۔ زمیندار اور جاگیر دار لوگ تو کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح سے لڑکی کی شادی خاندان سے باہر نہ کی جائے تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے۔ ان کو دیکھ کر عام لوگ بھی اپنی بیٹیوں، بہنوں کو وراثت سے محروم رکھتے ہیں۔ عورت جہاں زندگی کے باقی معاملات میں مجبور اور بے بس دکھائی دیتی ہے، وراثت کے حق میں بھی وہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اس کا شرعی اور قانونی حق ہے، خاندان کے امن وسکون کے لیے وہ خاموشی اختیار کرتی ہے اور رشتوں کو ترجیح دیتی ہے۔

"پتری! ہمارے خاندان میں بیٹی اور بہن کا جائیداد میں کوئی حصہ نہیں سمجھا جاتا۔ ان کے سامنے ہم بے بس ہو جاتے ہیں۔ خاموشی ہزار برائیوں سے دور رکھتی ہے۔ بس تم اس بات پر یقین رکھو اور اپنے کام سے مطلب رکھو۔ میں اپنے بھائی سے بگاڑ نہیں سکتی۔ اسے میرے حالات کی مجبوری سمجھو یا میری عقیدت اور محبت سمجھو۔ میرے خاموش رہنے میں ہی سکون و اطمینان ہے۔ آئندہ بھی اس کے سامنے زبان نہیں کھولوں گی۔"[۱۷]

عورت شادی سے پہلے تو کبھی اپنے حق کا مطالبہ نہیں کرتی لیکن جب شادی کے بعد وہ اپنے سسرال چلی جاتی ہے تو وہاں اکثر و بیشتر ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ اسے اپنا مانگنا پڑ جاتا ہے۔ بعض دفعہ اپنے خاوند یا سسرال والوں کے دباؤ میں آکر اور بعض دفعہ اپنی اولاد کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ایسا کرتی ہے۔ اسلام نے اسی لیے عورت کا حق مقرر کر دیا ہے تاکہ کسی بھی وجہ سے بدامنی کی صورتحال پیدا نہ ہو۔ لیکن جب والدین اپنی حیات میں ہی اولاد کا وراثت میں حصہ واضح نہیں کرتے تو اکثر ان کی وفات کے بعد بہن، بھائیوں میں وراثت کو لے کر لڑائی اور جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اور پھر یہ دشمنی میں بدل جاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ عورت جب اپنے حق کی بات کرتی ہے تو اس سے اختلاف پیدا ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ خاندان کی عورت کو اپنا حق لڑ کر عدالت کے ذریعے ہی لینا پڑتا ہے۔ جس سے خاندانوں میں دشمنیاں اور دوریاں سالوں قائم رہتی ہیں۔ اگر عورت خود کسی طرح سے اپنا حق یا حصہ چھوڑ بھی دے تو اس کا شوہر یا اولاد عورت کو مجبور کرتے ہیں کے اپنا حق مانگیں۔ جس سے اکثر و بیشتر سگے بہن، بھائیوں کے درمیان کشیدگی پیدا ہو جاتی ہے جبکہ بھائیوں کو پہلے ہی چاہیے کہ اگر والد نے جائیداد کی تقسیم نہ کی ہو تو خود بہنوں کا حصہ ادا کر دیں کیونکہ یہ اس کا شرعی اور قانونی حق ہے۔ اس حوالے سے رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

"میرے بھائیوں کو بھی مطلع کر دو کہ جائیداد میں میرا حصہ مجھے چاہیے اور
اس حویلی میں جو ایکڑوں پر کھڑی ہے۔ اس میں بھی میرا کچھ تو حصہ بنتا ہی
ہو گا۔"(۱۸)

رفاقت جاوید سماج کو دوچار انھیں مسائل سے آگاہی کا کام اپنے ناول کے ذریعے کرتی ہیں۔ وہ اس شدید کیفیت کو محسوس کر کے آنے والے طوفان سے معاشرے کو آگاہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں جو سماج میں اسلامی تعلیمات سے انحراف کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ وراثت کے معاملات ایسے پیچیدہ اور خطرناک ہیں اگر ان کو نظر انداز کیا جائے تو معاشرے بڑی تباہی کی طرف بڑھتا ہے جو کہ بدقسمتی سے ہمارے ملک کی صورتحال ہے۔ یہاں زمین کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے لیے خون کے رشتے کس طرح بے دردی سے اپنے ہی بہن، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کر دیتے ہیں۔ عدل و انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جس کا حق ہے اسے دیا جائے لیکن عدل و انصاف کو بھی ملحوظِ خاطر نہیں رکھا جاتا اور عورت کو کمزور اور بے بس سمجھتے ہوئے اس کے حق پر ڈاکہ ڈال دیا جاتا ہے۔ جب عورت اپنا حق لینے پر آجاتی ہے تو وہ بھی کسی قسم کے خونی

رشتہ کا لحاظ چھوڑ دیتی ہے جس سے نہ صرف ایک خاندان متاثر ہوتا ہے بلکہ اس کے منفی اثرات معاشرے پر بھی اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ اس صورتحال کو رفاقت جاوید ناول میں ایک جگہ کچھ اس طرح لکھتی ہیں:

"تو پھر جاؤ۔ میں دیکھ لوں گی کہ کون ہے مائی کا لعل جو مجھے حصہ لینے سے روکے گا۔ میں بھی اسی ماں کی اولاد ہوں۔ مجھے بھی اس کی طرح پیچھے ہٹنے کی عادت نہیں۔ یہ میں نے چھ بھائیوں میں پروان چڑھنے سے ہی سیکھا ہے۔"(۱۹)

وراثت ایک پیچیدہ لیکن اسلامی قانون کا ایک مرکزی نقطہ ہے۔ قرآن پاک میں وراثتی قوانین کو نہایت واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بعض مسلم ممالک میں وراثت کے قرآنی قوانین پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ کچھ مسلم ممالک میں وراثتی قوانین میں جزوی ترامیم بھی کی گئی ہے۔ بعض معاملات میں شیعہ قانون سنی قانونِ وراثت سے مختلف ہے۔ پاکستان میں وراثت کے قوانین کو دیکھا جائے تو یہ اس میں کافی ابہام بھی رہا کیونکہ ایک طویل عرصے تک پاکستان بننے کے بعد بھی اکثر علاقوں اور خاندانوں میں وراثت کے معاملات مسلم قانون کے تحت نہیں بلکہ رواجی قانون کے تحت ہی کیے جاتے رہے ہیں۔

پاکستانی قانون کے مطابق: تعزیرات پاکستان (Pakistan penal court) کے سیکشن A-۴۹۸ کے تحت:

"کسی خاتون کو اس کے وراثتی حق سے محروم کرنا سنگین جرم ہے، جس کی سزا دس سال قید اور دس لاکھ روپے جرمانہ ہے۔
سیکشن c-۴۹۸ کے تحت:
ایسا شخص جو کسی عورت کی قرآن پاک سے شادی کرے یا اس سے ایسا عہد لے کہ وہ پوری زندگی کنواری رہے گی یا وراثتی جائیداد میں حصہ نہیں مانگے گی۔ ایسے شخص کے لیے ۳ سے ۷ سال تک کی سزا ہو گی۔"(۲۰)

(تعزیرات پاکستان، Pakistan penal court) جائیداد کی تقسیم میں جائز حق دار کے حوالے سے پاکستانی لاء Woman inheritance protection act 2011 کے تحت:

صاحب جائیداد مر ہو یا عورت انکی جائیداد کی تقسیم میں جائیداد کے حق دار اولاد، والدین، بیوی اور شوہر ہوتے ہیں۔

اگر صاحب جائیداد کے والدین نہیں ہیں تو جائیداد اہلِ خانہ میں تقسیم ہو گی۔

شوہر کی جائیداد میں بیوی کا حصہ آٹھواں (۱/۸) یا چوتھائی (۱/۴) ہے۔

اگر ایک سے زیادہ بیویاں ہوں گی تو ان میں وہی حصہ تقسیم ہو جائے گا۔

اگر شوہر کی اولاد ہے تو جائیداد کا آٹھواں (۱/۸) حصہ بیوی کا ہے، چھٹا (۱/۶) حصہ والدین کا ہے اور باقی اولاد کا ہے۔

اگر شوہر کی اولاد میں فقط لڑکیاں ہی ہوں دو یا زائد تو جائیداد کا دو تہائی (۲/۳) حصہ لڑکیوں کا ہو گا۔

اگر شوہر کی اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو جائیداد کا نصف (۱/۲) حصہ لڑکی کا ہو گا۔

اگر شوہر کی اولاد نہیں تو بیوی کا حصہ چوتھائی (۱/۴) اور باقی والدین کا ہو گا۔

اگر بیوی شوہر کی جائیداد کی تقسیم سے پہلے فوت ہو جاتی ہے تو اسکا حصہ نہیں نکلے گا۔

اگر بیوہ نے شوہر کی جائیداد کی تقسیم سے پہلے دوسری شادی کر لی تو اسکا حصہ نہیں ملے گا۔

اگر بیوہ نے حصہ لینے کے بعد شادی کی تو اس سے حصہ واپس نہیں لیا جائے گا۔

باپ کی جائیداد میں ایک لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے۔

مسلم عائلی قوانین ۱۹۶۱ء میں ترمیم کر کے اس آرڈی نینس کی دفعہ نمبر ۴ کے تحت یتیم پوتے، پوتیوں کو بھی وراثت میں حق دیا گیا ہے۔

عورت کے حق وراثت کو دیکھا جائے تو کسی صورت میں بھی اس بات کی اجازت نہیں کے عورت کو حقِ وراثت سے محروم رکھا جائے۔ اگر عورت خود بھی اپنا یہ حق چھوڑ دے تو بھی یہ حق زائل نہیں ہوتا اور شرعی اور قانونی طور پر قائم رہتا ہے۔ باقی معاملات میں عدالت ہر حوالے سے ایک وقت مقرر کرتی ہے کہ اس وقت گزر جانے کے بعد آپ عدالت سے رجوع نہیں کر سکتے۔ لیکن عورت کے حقِ وراثت کے لیے وہ کبھی بھی عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس کی بات سنے گی۔ اس میں تو کوئی شبہ باقی نہیں کے شریعت اور قانون عورت کو حقِ وراثت عطا کرتا ہے لیکن بد قسمتی سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو پاکستان اسلامی ریاست ہونے کے باوجود یہاں عورتوں کو حقِ وراثت نہیں دیا جاتا۔

IPRI کے مطابق پوری دنیا میں رینکنگ کے حوالے سے پاکستان ۱۲۷ ممالک میں ۱۲۱ نمبر پر ہے جہاں عورتوں کو حقِ وراثت ادا کیا جاتا ہے۔ جو اسلامی ملک ہوتے ہوئے ایک شرمناک حقیقت ہے۔ رفاقت

جاوید حقِ وراثت کے انھیں مسائل اور اس سے پیدا ہونے والی ہولناک حقیقتوں کو سامنے لانے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو سکے اور پاکستانی معاشرہ جو دین اسلام کی تعلیمات کو بھلا بیٹھا ہے وہ زندگی کو شریعت کے مطابق گزاریں۔

سماجی مسائل کی بات کی جائے تو اس میں ایک اہم مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے، جس کے باعث اگر پاکستان کی صورتحال کو دیکھا جائے تو یہاں وسائل کے تناسب سے آبادی بہت زیادہ ہے جس وجہ سے لوگوں کو بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے لوگوں کی بڑی تعداد غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ آبادی کے اس مسئلے کو حل کرنے کا ایک طریقہ خاندانی منصوبہ بندی ہے۔ کیا کوئی جوڑا یا کوئی عورت بچوں کے پیدائش میں کوئی ایسی منصوبہ بندی کر سکتی ہے جو ان کی، خواہشات، صحت تندرستی، ضروریات اور بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہم آہنگ ہو، اسلام اس پہلو سے کیا رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے یا اس سے روکتا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی بھی ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

## ۳۔ خاندانی منصوبہ بندی:

خاندانی منصوبہ بندی کا مطلب نسل انسانی کا خاتمہ سمجھا یا بتایا جاتا ہے، جبکہ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ایک اولاد کے بعد دوسری اولاد ہونے تک کے درمیان اتنا وقفہ رکھا جائے کہ کثرِ اولاد والدین کے لیے پریشانی کا سبب نہ ہو۔ یعنی اولاد کی جسمانی ومادی پرورش اور روحانی و اخلاقی تربیت میں انہیں معاشی و معاشرتی تنگی محسوس نہ ہو۔ گویا خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد نسل کشی نہیں بلکہ اولاد کی پیدائش میں اعتدال قائم رکھنا ہے۔ انسانی زندگی کی ضروریات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے بچوں کی پیدائش میں کمی اور آبادی میں اضافے دونوں آپشنز (options) کھلے رکھے ہیں۔

کسی بھی خاندان کی تشکیل تب ہی ممکن ہے جب میاں، بیوی دونوں اس کے لیے زہنی طور پر تیار ہوں اور اگر دونوں کی آمادگی ہوگی تو ہی اولاد کی اچھی تربیت اور عمدہ پرورش کی جاسکے گی۔ اگر میاں یا بیوی دونوں میں سے ایک بھی اس کے لیے زہنی طور پر تیار نہیں یا ایک کی بھی مرضی شامل نہیں تو دونوں کے درمیان تو کشیدگی پیدا ہوگی ہی لیکن اس کے منفی اثرات پیدا ہونے والی اولاد پر بھی ہوں گے۔ یہ ایک ایسا

نفسیاتی مسئلہ جسے شاید دوسرے مسائل کی طرح اہمیت نہیں دی جاتی یا کچھ وجوہات کی بناء پر اس پر زیادہ بات نہیں کی جاتی۔ لیکن رفاقت جاوید اپنے ناول رنگِ خلش میں اس مسئلے کو بیان کرتی ہیں اور اس سے پیدا ہونے والے دیگر مسائل کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔ رفاقت جاوید لکھتی ہیں:

"مجھے اولاد چاہیے حسنات۔ میں اپنی زندگی کا مقصد پانے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ میری یہ خواہش جائز ہے۔ کیونکہ عورت چاہے ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ ہر عورت ماں کے مقدس رشتے کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ تقدس اور عظمت مجھے سونپ دیجیئے۔ پلیز حسنات۔ میری التجا سن لیجئے۔"[۲۱]

دورِ حاضر میں جیسے جیسے انسان نے ترقی کی ہے انسان کی زندگی میں سائنس کی بدولت بہت سی سہولیات تو آگئی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی اتنی مشکل بھی ہوتی جا رہی ہے۔ عام انسان کے اخراجات اس کی آمدن سے کئی زیادہ ہو گئے ہیں اور سائنسی ایجادات کی وجہ سے وہ تمام اشیاء جن کے بغیر بھی کبھی زندگی ممکن تھی، آج ان کے بغیر زندگی گزارنا بالکل ناممکن سا ہو گیا ہے۔ ضروریات کے بڑھنے کی وجہ سے انسان کو گاؤں، دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا پڑا اور شہر کی زندگی، گاؤں کی نسبت بہت مشکل اور مصروف ہے جس کی وجہ سے اب انسان اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے کی تو کوشش کرتا ہے لیکن اس کی تربیت کو بہت جگہ پر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس ساری صورتحال کے پیشِ نظر خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت بھی بڑھ گئی ہے۔ دیہاتی اور سادہ زندگی میں چونکہ انسان کی خواہشات اور ضروریات زیادہ نہ تھیں اس لیے شاید یہ اتنا اہم مسئلہ نہ تھا لیکن اب وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ نہ صرف ملکی سطح کا مسئلہ ہے بلکہ اب ساری دنیا میں یہ ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

مذہبی طور پر دیکھا جائے تو اس موضوع پر عام بحث نہیں ہوتی جس کی وجہ سے یہ تصور کیا جاتا ہے کی شاید ہمارے مذہب میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے دین اسلام میں بھی اس مسئلے کے متعلق رہنمائی موجود ہے۔ بچوں کی لگاتار پیدائش خواتین کی صحت کے لئے بہت سے مسائل پیدا کر سکتی تھی اس لئے اسے منظم کرنے اور ایک منصوبے کے تحت لانے کے لئے کچھ انتظامات قدرت نے خود کر دئے ہیں اور کچھ انسانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیے۔ اگر قدرتی منصوبہ بندی کی بات جائے تو اسلام نے ایسی ترتیب رکھی ہے جس سے بچوں کے درمیان قدرتی طور پر وقفہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے عمر کا

تعین کر دیا ہے جس کے تحت خواتین کی پوری زندگی بار آوری(productivity) کی صلاحیت کی حامل نہیں ہوتی بلکہ ایک عورت تقریباً ۱۵ سال سے ۵۰-۴۵ سال کے درمیان یعنی تیس پینتیس سال کا عرصہ اس صلاحیت کی حامل رہتی ہے اور اس میں بھی ابتدائی پندرہ بیس سال کی بار آوری یعنی بچوں کی پیدائش طبی طور پر محفوظ سمجھی جاتی ہے اور جوں جوں خاتون کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے بچے کی پیدائش سے ماں اور بچے کی زندگی کے لئے خطرات میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔اس کے برعکس مرد طویل عرصے تک اولاد پیدا کرنے کے قابل رہتا ہے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ماہانہ وقفے کے ذریعے بھی بچوں کی پیدائش میں وقفہ رکھا ہے۔خواتین کو بار آوری کی مدت میں ہر مہینے آٹھ دس روز ماہانہ وقفے سے گزرنا پڑتا ہے جس کے دوران قرآن حکیم کے واضح حکم کے مطابق میاں بیوی کے اختلاط اور جنسی عمل کی ممانعت ہے:

"لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں، انہیں بتادیں کہ یہ آلودگی ہے حیض کے دنوں میں بیویوں سے اختلاط سے باز رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے صحبت نہ کرو۔"[۲۲]

دودھ پلانے کے ذریعے بھی قدرت نے بچوں کے درمیان وقفہ رکھا ہے تاکہ ماں اور بچے دونوں کی صحت اچھی رہے اور بچے کو ماں کی مکمل توجہ حاصل ہو سکے۔قرآن حکیم نے ماؤں کو یہ کہا ہے کہ وہ دو سال تک اپنے بچوں کو دودھ پلائیں:

"مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، جو یہ چاہتے ہوں کہ رضاعت کی مدت پوری کریں"[۲۳]

جس عرصے میں مائیں بچوں کو دودھ پلاتی ہیں اس میں بالعموم انہیں ماہواری نہیں ہوتی اور جب ماہواری نہ ہو تو حمل نہیں ٹھہرتا، اس لئے جو ماں اپنے بچے کو باقاعدگی سے دودھ پلائے گی اس کے بچوں میں قدرتی طور تین تین سال کا وقفہ ہو جائے گا۔اس طرح مختلف طریقوں سے اسلام نے قدرتی طور پر ہی خاندانی منصوبہ بندی کا اہتمام کر رکھا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے اسلام کے احکامات واضح ہیں، لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میاں، بیوی دونوں کی مرضی کے خلاف ایسا کیا جائے۔خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے لیکن اس صورت میں جب کہ میاں بیوی دونوں اس کے لئے رضامند ہوں۔یہ حنفی علماؑ کی رائے ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ

چونکہ اولاد کا حصول میاں بیوی دونوں کا برابر حق ہے ، اس لئے کسی ایک فریق کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر اسے اولاد سے محروم کر دے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو میاں، بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام جاتا رہے گا اور بہت سے نفسیاتی مسائل پیدا ہو جائیں گی جس سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جائے۔ رفاقت جاوید اسی نفسیاتی مسئلے کو بیان کرتی ہیں۔ میاں، بیوی کے رضامندی کے حوالے سے رفاقت جاوید ناول میں ایک جگہ لکھتی ہیں:

> "مجھے بچے قطعاً پسند نہیں ہیں۔ میں نے اپنے لیے اپنے جیسا ساتھی ڈھونڈا تھا۔ تم تو مجھ سے بالکل ہی فرق نکلی۔ سائرہ میں بچے کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔ میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں کہ اسے وقت دے سکوں گا۔ وہ سنجیدگی اور تلخی سے بولے۔ مجھے تنگ کرنا چھوڑ دو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ صفائی کرو، کھانا پکاؤ، کپڑے دھلائی اور استری کرو۔ یہ ہے ایک گولڈ میڈلسٹ کا رول، چُلو بھر پانی میں ڈھوب مرنے کا مقام ہے۔ اب بچے پیدا کرنے کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ اس پر تمھارا نہیں میرا اختیار ہے۔ اس کا فیصلہ تو میری زندگی میں نہیں ہو سکتا۔ یہ بات غور سے سن لو اور آئندہ مجھ سے ایسیڈیمانڈ مت کرنا جو میرا سکون غارت کر دے۔"(۲۴)

انسانی ضروریات زندگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جہاں اسلام نے بچوں کی پیدائش میں وقفے کی گنجائش رکھی ہے وہاں یہ بھی لازم کیا ہے کہ ایسا کرنا تب ہی جائز ہو گا جب میاں، بیوی دونوں اس پر رضامند ہوں گے ، دونوں میں سے ایک کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کی مرضی کے بغیر اکیلے ہی ایسا کوئی بھی فیصلہ کرے۔ اسلام نے اس معاملے میں میں یہ بھی لازم کیا ہے کہ اگر مرد ایسا چاہے گا تو عورت سے اجازت لینا لازمی ہے۔

> ''صحابہ کرام اور دیگر بعض اہل علم نے عزل کی اجازت دی۔ مالک بن انس نے فرمایا عزل کے معاملہ میں آزاد عورت سے اجازت لی جائے اور لونڈی سے اجازت کی ضرورت نہیں''(۲۵)

خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے اگر پاکستانی قانون کو دیکھا جائے تو اس میں باقاعدہ طور پر کوئی حتمی قانون موجود نہیں لیکن مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱ میں ایک شِق موجود ہے:

"پاکستان کی بڑھتی ہوئی آبادی کو خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے کنٹرول کیا جائے گا۔"(۲۶)

رفاقت جاوید موجودہ دور کے مسائل پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت ہیں اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے معاشرے کو ان مسائل سے آگاہ بھی کرتی ہیں۔ انھوں نے صرف ان مسائل کی ہی نشاندہی نہیں کی جن سے معاشرہ پہلے ہی واقف ہے بلکہ وہ ان مسائل کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتی ہیں جن کو عام طور نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام سے لگاؤ بھی ان کی شخصیت کا خاصا ہے اور بخوبی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہماری نسلیں اسلام سے دور ہو رہی ہیں جس وجہ سے معاشرہ بے شمار مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ معاشرے میں صبر اور برداشت کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور بدقسمتی سے ہماری موجودہ نسلیں اسلام کی بنیادی تعلیمات سے بھی ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آئے دن ہمارے معاشرے میں ایسے کام ہو رہے ہیں جن کا اسلام اور مسلم روایات سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیاوی تعلیم کے ساتھ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم اپنے بچوں کو دین کی تعلیم بھی دیں تاکہ وہ معاشرے اور دنیا میں اپنی حقیقت اور مقام کو پہچان سکیں۔

# حوالہ جات


۱. القرآن، "سورۃ محمد" آیت نمبر ۳۳، تاج کمپنی، لاہور

۲. رفاقت جاوید، ریشم کے دھاگے، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۲۷

۳. ایضاً، ص ۱۵

۴. مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱

۵. ابو داؤد، سنن ابو داؤد، (مترجم ابو عمار عمر فاروق سعیدی) ۲۰۰۶ء، جلد اول، ص ۳۱۷

۶. گارڈین اینڈ وارڈ ایکٹ ۱۸۹۰

۷. القرآن، "سورۃ البقرہ"، آیت نمبر ۰۲/ ۲۴۱، تاج کمپنی، لاہور۔

۸. Family maintenance court act 1964, section 17

۹. رفاقت جاوید، حوا کے روپ ہزار، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۳۴

۱۰. رفاقت جاوید، ریشم کے دھاگے، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۱۵

۱۱. ایضاً، ص ۲۰۱

۱۲. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/ ۷، تاج کمپنی، لاہور۔

۱۳. القرآن، "سورۃ النساء" آیت نمبر ۰۴/ ۱۱، تاج کمپنی، لاہور۔

۱۴. ابنِ کثیر، ابو الفدا عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۲، ص ۴۵۹

۱۵. شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، (مترجم مولانا عبد الرحیم)، قومی کتب خانہ، لاہور ۱۹۸۳، ص ۵۱۵

۱۶. رفاقت جاوید، ریشم کے دھاگے، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، ۲۰۱۵ء، ص ۸۱

۱۷. ایضاً، ص ۸۰

۱۸. ایضاً، ص ۱۱۶

۱۹. ایضاً، ص ۱۱۶

۲۰. تعزیرات پاکستان، Pakistan Penal court

۲۱. رفاقت جاوید، رنگِ خلش، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۲۰

۲۲. القرآن، "سورة البقرہ" آیت نمبر ۰۲ / ۲۲۲، تاج کمپنی، لاہور۔

۲۳. القرآن، "سورة البقرہ" آیت نمبر ۰۲ / ۲۳۳، تاج کمپنی، لاہور۔

۲۴. رفاقت جاوید، رنگِ خلش، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار لاہور، جنوری ۲۰۱۶ء، ص ۲۰

۲۵. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، (مترجم علامہ بدیع الزماںؒ) جلد اول، اپریل ۱۹۸۸، حدیث ۱۳۵

۲۶. مسلم فیملی لاء آرڈیننس ۱۹۶۱

باب چہارم:

# ماحصل

## ا۔ مجموعی جائزہ:

عہدِ حاضر کی ادبی شخصیات میں ایک نمایاں نام رفاقت جاوید کا ہے۔رفاقت جاوید نے ادبی زندگی کا آغاز بارہ سال کی عمر سے کیا۔ابتداء بچوں کی دنیا، کھلونا اور اخبارات میں بچوں کی کہانیوں سے متاثر ہو کر بچوں کے لیے کہانیاں لکھنے سے کی سولہ برس کی عمر میں خواتین کے رسائل میں افسانے لکھے۔شاعری سے بھی شغف تھا اور بہت سی غزلیں اور نظمیں لکھیں لیکن جلد ہی شاعری کو خیر آباد کہہ دیا اور شادی کے بعد یہ سلسلہ رک گیا اور بچوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو کر ۲۰۱۲ سے دوبارہ لکھنا شروع کیا اور مختلف ڈائجسٹ، حجاب ، آنچل، خواتین، پاکیزہ، اور کرن وغیرہ میں افسانے لکھے۔اس کے علاوہ اب تک اکیس ناول جو شائع ہو چکے ہیں اور دو ناول زیر طبع ہیں ان کا شاعرانہ اسلوب نثر کی سلاست اور روانی میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ناول کی خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔وہ آسان اور سہل جملوں سے قاری کو متاثر کرتی ہیں۔آپ نے ان ناولوں میں معاشرے کے مسائل کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے اور ہماری توجہ ان وجوہات کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جو معاشرے میں مسائل کو جنم دیتی ہیں۔دیگر ناول نگاروں کی طرح ان کے پاس بھی موجودہ دور کے مسائل کے مشاہدے کی صلاحیت موجود ہے، اور انھوں نے اپنی تحریروں سے معاشرے کی اصلاح کی بھرپور کوشش کی ہے۔

سماج سے مراد انسانوں کا وہ گروہ ہے جو باہمی تعلق کے اعتبار سے انفرادی خصوصیات کا حامل ہو۔انسان کی فطرت ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا، انسان اور سماج میں گہرا رشتہ ہے۔سماج کے بغیر انسان نامکمل ہے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت معاشرہ اور سماج میں ہی رہ کر پیدا ہو سکتی ہے۔اس لیے سماج کی تکمیل کے لیے انسان کا ہونا لازمی ہے، درخت، پودوں، چرند، پرند یا دوسری مخلوقات سے معاشرہ یا سماج قائم نہیں ہوتا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اور سماج دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔انسانوں کی جماعت سماج قائم کرتی ہے۔

اسی سماج میں رہنے کے لیے اور زندگی کو آسان اور موثر بنانے کے لیے انسان نے کچھ اصول مرتب کیے ہیں جن پر عمل کر کے ہی انسان کامیاب زندگی گزار سکتا ہے۔ اسی طرح کچھ قانون اور قاعدے قدرت کے بنائے ہوئے ہیں جن سے انحراف کر کے نہ تو ہم ایک اچھے انسان بن سکتے ہیں اور نہ ہی ایک عمدہ معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔

جب جب انسان نے سماجی اصولوں سے انحراف کیا ہے، سماج میں بہت سی برائیوں اور مسائل نے جنم لیا ہے۔ ان برائیوں نے معاشرے کی امن و سکون کو برباد کیا ہے اور انسان ان کے اثرات سے بری طرح متاثر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات تخلیق کی تو انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لیے پیغمبر اور رسول بھیجے جو اپنے اپنے دور میں انسانوں کی فلاح کے لیے اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچاتے رہے ہیں۔ ظہورِ اسلام سے قبل دور جاہلیت تھا جو بہت سی برائیوں میں گرا ہوا تھا۔ اسلام نے انسان کو زندگی گزارنے کے تمام اصول واضع کر دیے اور خود رسول اللہ ﷺ نے ان پر عمل کر کے ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کیا جس کی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ جب ہم نے ان اصولوں کو چھوڑا تو معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا اور بے شمار سماجی مسائل بھی پیدا ہوئے۔ ان میں نسلی امتیاز، لاقانونیت، دہشت گردی، بے روزگاری، غربت، ناخواندگی اور جہالت، طبقاتی کشمکش، انسانی حقوق کا مسئلہ، فرقہ واریت، آزادی نسواں، مہنگائی، روحانیت کا فقدان، جنسی امتیاز، بدعنوانی، قرض، بچوں کی تربیت، تعلیم، وراثت کے مسائل، حقوق نسواں وغیرہ شامل ہیں۔

اگر اسلامی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کسی بھی معاشرے کی بقاء کے لیے سب سے اہم اور بنیادی اصول عدل و انصاف کا ہے۔ کوئی معاشرہ **عدل و انصاف** کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ جس معاشرے میں عدل و انصاف نہ ہو وہ معاشرہ ظلم، بدامنی، انتشار اور فتنہ و فساد کا گہوارہ بن جائے گا۔ اس لیے کسی معاشرے کو قائم رکھنے کے لیے سب سے اہم اور بنیادی ضرورت عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔ اسلام سے قبل دور جاہلیت میں بھی عدل و انصاف کا کوئی تصور نہ تھا، طاقت ور کمزور پر ظلم کرتا اور اس کا حق غصب کرتا تھا۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانوں کو عدل قائم کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو معاشرہ عدل و انصاف کے اصولوں پر قائم کیا جائے گا وہاں پائیداری اور استحکام ہو گا۔ اگر سماج سے عدل و انصاف ختم ہو جائے تو انسان اور جانور کا فرق ختم ہو جائے گا۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ کسی سماج کی ترقی اور کامیابی کا انحصار عدل و انصاف پر ہی ہوتا ہے۔ عدل کے ذریعے ہی ہر فرد کے

حقوق متعین کیے جاسکتے ہیں۔ عدل کسی نظام کا صرف نام نہیں بلکہ یہ درست انسانی رویوں سے تشکیل پانے والی کیفیت کا نام ہے۔ جس کا آغاز انسان کے ذہن، سوچ سے شروع ہو کر اس کے اعمال تک پہنچتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں ہر انسان بنیادی طور پر عادل ہوتا ہے، وہ گھر میں ہو یا دفتر میں اپنے کام یا فیصلوں میں عدل سے کام لیتا ہے۔ وہ بازار یا منڈی میں ہو تو ناپ تول میں انصاف کرتا ہے۔ نیز وہ کسی بھی طبقے سے ہو، کسی بھی شعبے سے تعلق رکھتا ہو ہر جگہ عدل وانصاف سے کام لیتا ہے۔ قرآنِ پاک میں زندگی کے ہر زاویہ میں عدل وانصاف کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں سماجی عدل و انصاف کے لیے مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں کے لیے عدل وانصاف کا حکم ہے۔

انسانی مزاج کے اعتبار سے دیکھا جائے تو باہمی اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ انھیں اختلافات کو ختم کرنے کے لیے عدل و انصاف کا نظام بتایا گیا ہے۔ اس نظام کا تقاضہ ہے کہ ہر سطح پر عدل و انصاف کا خاص خیال رکھا جائے حتٰی کہ گفتگو میں بھی عدل کا دامن پکڑے رکھنے کا حکم ہے۔ اسلامی معاشرت میں خدا ترسی، امانت، معاملہ فہمی، بصیرت اور صداقت سے عدل وانصاف کیا جاتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں عدل وانصاف کے حوالے سے امیر، غریب، حاکم و محکوم میں کوئی فرق نہیں، انصاف کے ترازو میں سب برابر ہیں۔ اسلام سے پہلے قوموں میں یہ فرق رکھا جاتا تھا کہ اگر کسی معزز شخص سے کوئی جرم ہو تا تو اس کی سزا میں نرمی برتی جاتی جب کہ وہی جرم اگر کسی غریب سے ہو جاتا تو اسے پوری پوری سزا دی جاتی۔ اسلام نے اس فرق کو ختم کیا اور ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جس میں انصاف کا ترازو سب کے لیے برابر ہے۔ آج اگر ہم اپنے سماج میں نظر ڈالیں تو پتا چلتا ہے کہ ہم نے اس نظام عدل کو چھوڑ دیا ہے اور اسلامی تعلیم جو ہمارے پیارے آقا حضرت محمد ﷺ نے دی اس سے دور ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ عدل وانصاف کے نظام نہ ہونے کی وجہ سے سماج میں بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔

کسی بھی سماج میں جتنی اہمیت مرد کو حاصل ہے اتنی ہی اہمیت عورت کی بھی ہے لیکن بدقسمتی سے عورت کو وہ مقام یا حق نہیں دیا گیا جو معاشرے کو دینا چاہیے تھا۔ **حقوق نسواں** آج کے دور کا بہت بڑا سماجی مسئلہ ہے۔ کسی معاشرے کا توازن اسی وقت برقرار رکھا جاسکتا ہے جب اس میں عورت کو وہی مقام اور حقوق دیے جائیں جس کی وہ حق دار ہے۔

اسلام نے عورت کو ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا درجہ دیا۔ اگر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ خواتین کے، عائلی حقوق، معاشی حقوق، ازدواجی حقوق، انفرادی حقوق اور دیگر حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اور اللہ پاک نے قرآن میں بارہا دفعہ عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے اور ان کا حق ادا کرنے پر سختی سے حکم دیا ہے۔ اسلام مساوات کا درس دیتا ہے اور اس نے مرد کی طرح عورت کو بھی تمام بنیادی حقوق دیے ہیں، اسلام نے عورت کو اپنی پسند کی شادی کرنے کا اختیار ہے، اپنے نام جائیداد خرید سکتی ہے اور اپنی ملکیت میں رکھ سکتی ہے۔ اسے اپنے خاندان، خاوند اور دوسرے قریبی رشتے داروں سے وراثت میں حصہ ملتا ہے۔ جس طرح مرد کو طلاق دینے کا اختیار ہے اسی طرح عورت کو خلع کے ذریعے نکاح تحلیل کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا ہے۔ اسلام سے قبل عورت کو کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اسلامی معاشرے کی بنیاد ہی عدل وانصاف اور مساوات پر ہے اس لیے یہ کیسے ممکن تھا عورت کو حقوق سے محروم رکھا جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے عملی طور پر عورتوں کو یہ حقوق دیے اور ایک مثال قائم کی۔ عورتوں کے حقوق میں سب سے اہم حق ان کی تعلیم ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے تعلیمِ نسواں بہت ضروری ہے، ایک پڑھی لکھی ماں ہی اولاد کی اچھی تربیت کر سکتی ہے۔ علم کی بدولت ہی عورتوں نے اسلامی تاریخ میں، اسلامی دنیا میں وہ ترقیاں حاصل کی ہیں اور روحانیت کے اس درجہ تک پہنچی ہیں، جس درجہ تک اس زمانے میں ہزاروں مرد نہیں پہنچ پائے۔ اگر ہم تاریخ کا مشاہدہ کریں تو دیکھیں گے کہ ماؤں کی صحیح تربیت کی وجہ سے اولاد بڑے اونچے مقام پر پہنچی ہے۔ اگر ماں تعلیم یافتہ، نیک سیرت اور سلیقہ شعار ہے تو اس کی اولاد میں بھی انھی اوصاف سے آراستہ ہو گی اور ان کا مستقبل بھی روشن اور تابناک ہو گا۔ پڑھی لکھی اور سلیقہ مند ماں کی گود میں پرورش پائے ہوئے بچے، بڑے ہو کر نہ صرف ملک کے مہذب شہری بنیں گے اور اپنی اچھی عادات و اطوار سے دوسروں کو متاثر کریں گے، بلکہ دوسروں کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر ماں ان پڑھ، جاہل اور پھوہڑ ہے، غیر سلیقہ شعار ہے تو وہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے فرائض اچھے طریقے سے انجام نہ دے سکے گی اور نہ ہی اپنے بچوں کی عادات و اطوار کو سنوار سکے گی۔ ثابت ہوا کہ عورتوں کی تعلیم اس لیے اہم اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ اپنے بچوں کی تربیت اعلیٰ پیمانے پر نہیں کر سکتیں۔

اسلام نے اجازت دی ہے کہ اگر کسی مجبوری کی بنا پر عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر قدم رکھنا پڑے تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ اب یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ جب عورت تعلیم یافتہ ہو۔ ان پڑھ

عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ عورت کے لیے بہترین اور معزز پیشہ تدریس ہے۔ اس سے معاشی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور خدمت خلق بھی ہو جائے گی۔ عورت کی تعلیم کا مقصد یہ نہیں کہ وہ بھی مردوں کی طرح فیکٹریوں میں ملازمت کرے۔ بلکہ تعلیم نسواں کا بنیادی مقصد عورت میں تعلیمی قابلیت پیدا کرنا اور اسے اس قابل بنانا ہے کہ وہ گھریلو زندگی صحیح خطوط پر استوار کر سکے۔ لیکن بد قسمتی سے آج کے اس جدید دور میں بھی عورتوں کی تعلیم کو معیوب سمجھا جاتا ہے اور سماج میں بہت سے ایسے طبقے ہیں جو ابھی بھی اس جہالت کا شکار ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ شائد عورتوں کو تعلیم دینا، اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے جب کہ یہ سراسر غلط ہے کیونکہ اسلام نے تو تعلیم حاصل کرنا فرض کیا ہے نہ صرف مردوں پر بلکہ عورتوں کے لیے بھی، اس لیے اس سماجی مسئلہ کا حل ہمیں قرآن و سنت کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا۔ حقوق نسواں کے حوالے سے بہت سی تحریکیں بھی چلیں لیکن حقیقت میں عورتوں کے حقوق صرف اسلام نے دیے ہیں جن سے عورت سماج میں ایک باوقار زندگی گزار سکتی ہے۔

اسلام نے **فرقہ واریت** سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ دین اسلام اتحاد و اتفاق کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ جمعہ کی نماز اور عیدین کے وقت مسلمانوں کا اجماع ان کے اتحاد کی مثال ہے۔ اسی طرح حج کے موقع پر ایک لباس میں ملبوس لوگوں کا اکٹھا ہونا اتفاق کی ایسی مثال ہے کہ اس جیسی نظیر کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اسلام سے قبل انسانیت، رنگ و نسل اور ذات پات اور فرقوں جیسی چیزوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتی تھی۔ اسلام کے شروع کا دور گزرنے کے بعد جب کچھ عالم لوگ آئے اور انھوں نے اسلام کی تبلیغ کی اور اپنے اپنے علم کے مطابق فتوے دئے مگر انہوں نے اپنے فتوے کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اگر آپ کو میرے فتوے پر کوئی صحیح حدیث ملتی ہے تو میرے فتوے کو چھوڑ دو اور اللہ کے رسول کی بات مانو اور ان عالموں میں اتنا خاص اختلاف بھی نہیں تھا جتنا کہ آج کل کے مسلمانوں میں ہے۔ ان عالموں یا اماموں میں امام احمد رضا خان، امام شافعی، امام حمبل، امام مالک وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ آج کل مسلمان اپنا تعارف اپنے فرقے کی نسبت سے ہی کراتے ہیں، یہ سوچے بغیر کے یہ جائز بھی ہی یا نہیں۔ آج مسلمان ساری دنیا میں جن مشکلات اور ذلت کا سامنا کر رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔ اور اسلام سے دوری میں سب سے بڑا سبب فرقہ واریت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرقہ واریت سے سختی سے روکا اور اسے حرام کیا ہے

اگر وسائل اور تعداد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو آج مسلمانوں کو جو طاقت حاصل ہے وہ کسی دور میں نہ تھی۔ لیکن اس کے باوجود ساری دنیا میں مسلمانوں کی ذلت کی وجہ صرف اور صرف فرقہ واریت ہے۔ اگر مسلمان قوم پر نظر ڈالی جائے تو یہ قوم نہیں بلکہ انسانوں کا ایک ہجوم دکھائی دیتا ہے کیونکہ قوم نظریہ سے بنتی ہے اور آج ہم اپنے ہی مذہب میں بھی مختلف نظریات میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ کہ ہم نے قرآن و سنت کو چھوڑ دیا ہے۔ دین میں نئی نئی بدعتیں شامل کر لیں اور فرقہ واریت کا شکار ہو گئے۔ اس سے بھی بڑی اور خطرناک بات یہ ہے کہ ہم نہ صرف نظریاتی طور پر ایک دوسرے کے مخالف ہو گئے بلکہ ہم اپنے فرقہ کی پاسداری کے لیے ایک دوسرے کی جان تک لینے لگے ہیں۔ جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمان دل میں ایمانی جذبہ لیے اتحاد و اتفاق کے ساتھ باہر نکلے تو محض ۳۱۳ افراد نے غزوہ بدر میں دشمن کی بڑی تعداد کو شکست دی۔ وہ رومیوں اور ایرانیوں پر ان کی تمام تر طاقت کے باوجود غالب آ گئے۔ تمام دنیا ان کے قبضے میں آ گئی اور ہر ایک سے انھوں نے اپنا لوہا منوایا۔ مگر جب غزوہ احد میں ان کے اتحاد میں ذرا سی بھی لغزش آئی تو جیتی ہوئی جنگ ہارنا پڑی۔ اسی طرح جب وہ امویوں اور عباسیوں میں تقسیم ہوئے تو تاتاریوں کے ہاتھوں شکست کھانا پڑی۔ برِ صغیر میں مسلمانوں نے ہزار سال تک حکومت کی مگر جب میر جعفر اور میر صادق جیسے غدار پیدا ہوئے تو یہ حکومت انگریزوں کے حوالے کرنا پڑی۔ آج کے دور کے مسلمان فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے جانی دشمن بن چکے ہیں۔ ہر ایک اپنے فرقے کو درست تصور کرتا ہے اور دوسرے کے فرقے کو غلط خیال کرتا ہے۔ اسی کش مکش میں مبتلا ہو کر آج ایک مسلمان اپنے ہی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔

دور حاضر میں جہاں انسان بہت سے سماجی مسائل کا شکار ہے۔ وہاں ایک اہم مسئلہ **بچوں کی تربیت** کا ہے کیونکہ بچے کسی بھی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ایک بات بالکل واضح ہے کہ جن قوموں پر زوال آیا ان کے زوال کے اسباب میں ایک بڑی وجہ بچوں کو علمی اور فکری ورثہ سے محروم ہونا تھا، اور ایسا صرف اسی وجہ سے ہوا کہ ان کی تعلیم و تربیت میں لاپرواہی برتی گئی۔ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے ایسی تعلیمات دی ہیں جن سے اسلام کے پیروکاروں کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی حاصل ہو۔ اسلام نے بچوں کی اعلیٰ تربیت پر بھی بہت زور دیا۔ اور بچوں کی تربیت کے حوالے سے بھی رہنمائی کی ہے۔ جو والدین اپنی اولاد کی تربیت اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کرتے ہیں اور انھیں اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتے ہیں، ان کی اولاد دنیا میں ان کی فرمانبردار اور مرنے کے بعد بھی ان کے صدقہ جاریہ کی حیثیت

رکھتی ہے۔اس کے برعکس جو والدین بچوں کی تربیت میں غفلت برتتے ہیں ان کی اولاد نہ صرف دینا میں ان کی بدنامی کا سبب بنتی ہے بلکہ اگر وہ کوئی گناہ کرتے ہیں تو اس گناہ میں والدین بھی برابر کے شامل ہوتے ہیں۔اس لیے والدین کو چاہیے کے اولاد کی پرورش پر خاص توجہ دیں اور قرآن و سنت کے مطابق ان کی پرورش کریں۔تربیتِ اولاد میں سب سے پہلا اور اہم کردار ماں کا ہے۔ماں کی گود کو پہلی درس گاہ کا درجہ دیا گیا اس لیے ماں پر ایک بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ماں اگر تعلیم یافتہ ہوگی تو وہ اولاد کی پرورش عمدہ انداز میں کرسکے گی۔اسلامی نقطہ نظر سے ماں کے لیے دین اور دنیا دونوں کی تعلیم ضروری ہے، تاکہ وہ اولاد کو بھی دین اور دنیا کی تعلیم دے سکے۔بیٹے کو تعلیم دینا ایک فرد کی تعلیم ہے اور بیٹی کی تعلیم پورے خاندان کی تعلیم ہے۔والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو شروع سے ہی نیکی کی طرف راغب کریں اور بھلائی کرنے کی عادت ڈالیں۔ہمارا دین سب سے زیادہ زور اخلاقیات پر دیتا ہے۔اس لیے بچوں کو تمام اخلاقی تعلیم دینا ماں، باپ کی تربیت کا لازمی حصہ ہے۔رسول اکرم ﷺ کی زندگی سے ہر پہلو پر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اسلام ایسے معاشرے کی تشکیل کو ترجیح دیتا ہے جس کی بنیاد عبادات، ایمانیات، معاملات اور اخلاقیات پر قائم کی جائے۔ان عناصر پر عمل کرنے کا طریقہ خدا نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے انسانوں تک پہنچایا ہے۔معاشرے میں موجود افراد کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری، اسلام خاندان کو ہی سونپتا ہے، تمام خاندان اپنے افراد کی تعلیم و تربیت اسلام کے بتائے ہوئے اصولوں پر کریں۔ایک صالح معاشرے کو قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کے اس داعیہ کو اعتدال میں رکھا جائے اور اس کے لیے اسلام نے نکاح کا راستہ بتایا ہے۔جس سے انسان کے صنفی میلان کو اعتدال میں رکھا جاسکتا ہے اور اسی سے ہی خاندان کا ادارہ مضبوط اور محکم ہوتا ہے۔اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر مرد او عورت کے تعلق کو اسی طرح فروغ دیا جائے جیسے خدا نے حکم دیا ہے تو ہی خاندان اور معاشرے کو بچایا جاسکتا ہے ورنہ اس کے علاوہ تمام راستے تباہی کے طرف ہی جاتے ہیں۔

کسی معاشرے میں جس طرح مذہب معاشرے کی اصلاح کرتا ہے اسی طرح ادب بھی معاشرے کے مسائل کی عکاسی کرتا ہے اور معاشرے کے افراد کو آئینہ دکھاتا ہے تاکہ معاشرے کی اصلاح ہو سکے۔اردو ادب میں بھی معاشرے کی اصلاح کے حوالے سے ادیبوں اور شاعروں کا ایک اہم کردار ہے، صوفی شعراء نے اپنی شاعری سے لوگوں کے دلوں کو توحید کی طرف موڑا ہے اور شاعری کے ذریعے انسانوں

کو خدا اور رسول کی اطاعت کی ترغیب دی ہے اسی طرح ادب کی ہر صنف میں اصلاحی پہلو موجود ہے۔ناول اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے اور اصلاح معاشرہ کے حوالے سے ناول نگاروں نے بے شمار ناول لکھے ہیں، جن میں ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری جیسے نام قابلِ ذکر ہیں۔موجودہ دور میں ناول نگاری کے حوالے سے ایک اہم نام رفاقت جاوید کا ہے۔انھوں نے بھی دیگر ادیبوں کی طرح معاشرے کی اصلاح کے لیے ان سماجی مسائل کو معاشرے کے سامنے پیش کر دیا ہے جن سے معاشرے کا امن برباد ہو رہا ہے اور ان مسائل کا خاتمہ ہی ایک مثالی معاشرے کی بنیاد بن سکتا ہے۔رفاقت جاوید کے ہاں متعدد موضوعات ملتے ہیں لیکن ان کے مطابق ہمارے معاشرے میں موجود مسائل کی بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔اس لیے انھوں نے ان مسائل کی طرف توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جن کا حل اسلامی اصولوں کے ذریعے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ان کے ناولوں میں عائلی مسائل کا واضح تذکرہ ہے جن سے براہ راست معاشرے پر اثر پڑتا ہے۔میاں ،بیوی کے حقوق، اولاد کی تربیت، اولاد کی وراثت خاص طور پر بیٹی کا حصہ، لے پالک اولاد کے حقوق، خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے مسائل، میاں بیوی کے نفسیاتی مسائل کا اولاد پر اثر وغیرہ جیسے مسائل ان کے ناولوں کے بنیادی موضوعات ہیں کیونکہ ایک عمدہ خاندان ہی ایک عمدہ معاشرہ تخلیق کر سکتا ہے۔

رفاقت جاوید اپنے ناولوں میں ہر فرد کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی ہیں اور ان مسائل کی نشاندہی کرتی ہیں جن سے نہ صرف ایک خاندان کے افراد متاثر ہوتے ہیں بلکہ ایک معاشرہ بھی بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ایک خاندان کی حیثیت سے سب سے اہم کردار میاں بیوی کا ہے۔اگر ان کا رشتہ اسلامی اصولوں پر استوار ہو گا تو ہی بچوں کی تربیت بھی اسلامی اصولوں پر کی جاسکے گی، میاں بیوی کے آپس کے تعلقات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔میاں بیوی کے ذاتی مسائل کسی بھی خاندان میں بچوں پر براہ راست اثر انداز ہوتے ہیں، بچوں میں نفسیاتی مسائل ماں، باپ کے رویوں کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناولوں میں انہی نفسیاتی مسائل کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، جن سے سماج میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں۔رنگِ خلش میں ایسے ہی ایک انسان کی کہانی کو بیان کیا ہے جس کے والدین کی آپس کی چپقلش نے اسے زندگی بھر کے لیے متعدد نفسیاتی مسائل سے دوچار کر دیا اور ساری عمر احساس کمتری کا شکار رہا، یہی وجہ ہے کہ وہ سماج میں ایک مفید انسان ثابت نہ ہو سکا۔میاں، بیوی کو کسی خاندان کی تشکیل میں بنیادی حیثیت

حاصل ہے اس لیے اگر ان میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہو گی تو گھر میں ہر وقت لڑائی جھگڑے کا ماحول رہے گا جس سے اولاد کی تربیت عمدہ اصولوں پر نہیں کی جاسکے گی۔

میاں، بیوی مل کر ہی ایک مثالی خاندان کی تشکیل کر سکتے ہیں لیکن کسی خاندان کی تشکیل میں عورت کا کردار مرد سے کافی حد تک زیادہ اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ ایک عورت ہی کسی گھر کو جنت یا جہنم بنا سکتی ہے۔ اس لیے اگر شروع سے ہی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کو اہمیت دی جائے تو ہی وہ آگے چل کر اپنے خاوند کے شانہ بشانہ چل سکے گی۔ معاشرے کو تباہی سے بچانے کے لیے انسان کو واپس مذہب کی طرف لانا ہو گا اور انسان کو یہ باور کرانا ہو گا کہ حیوان اور انسان کی زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ کام صرف دین اسلام ہی کر سکتا ہے۔ مغربی معاشرے میں خاندان کے بکھرنے کے اسباب میں بنیادی وجہ مرد اور عورت کے مقام کا تعین ہے۔ آج تک وہ مرد اور عورت کے اصل مقام کا تعین نہیں کر پائے کبھی مرد کو آقا کا درجہ دے کر ہر فساد کی جڑ عورت کو قرار دیا جاتا ہے اور کبھی عورت اور مرد کو ایک دوسرے کے برابر کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے مغربی معاشرہ آج تک عورت کے اصل اور متعدل مقام کا تعین نہیں کر سکا جس کی وجہ سے مغربی معاشرہ آج بھی ایک خاندان کی تشکیل میں ناکام رہا ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے جو عورت کے اصل مقام کو متعدل طریقوں سے پیش کرتا ہے اور عورت کو ماں، بیٹی، بیوی اور بہن کا مقام عطا کر کے گھر اور بچوں کی پرورش اور تربیت کی ذمہ داری بھی عورت کو سونپتا ہے۔ مرد کو اس کا ضامن بناتا ہے کہ وہ عورت کا خیال رکھے اور عورت کا نگہبان ہو۔ زندگی کے ہر معاملے میں مرد اور عورت ایک دوسرے کی ضرورت ہیں اس لیے نکاح کی صورت میں اسلام نے مرد اور عورت دونوں کو ایک بلند مرتبہ بخشا ہے۔ رفاقت جاوید بھی اسی مسئلے کو بیان کرتی ہیں کہ اگر مرد یا عورت دونوں میں سے کوئی ایک بھی ایک دوسرے کی عزت یا احترام نہ کرے گا یا ایک بھی اپنی ذمہ داریوں سے انحراف کرے گا تو ان کو اکٹھے ایک خاندان کی شکل میں رہنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ ایک دوسرے کی خواہشات کا احساس اور ان کا احترام بھی اسی طرح لازم ہے اگر نہ کیا جائے تو ایک دوسرے سے دوری اور نفرت جنم لے گی جو آہستہ آہستہ خاندان کی تباہی کا باعث بنے گی۔

کسی بھی معاشرے میں جہاں غربت، بے روزگاری، دہشت گردی، بدامنی، مہنگائی اور ناانصافی بڑے مسائل ہیں، وہاں عائلی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ یہی وہ عائلی مسائل ہیں جن کی وجہ سے اس طرح کے بڑے بڑے مسائل کسی بھی معاشرے میں جنم لیتے ہیں۔ اسلام اسی لیے عائلی مسائل کو

بنیادی مسائل کی حیثیت دیتا ہے اور ان پر بہت زور دیتا ہے اور معاشرے کو ان بڑے مسائل سے بچانے کے لیے خاندانی نظام کو ترجیح دیتا ہے۔ اور ایک مثالی خاندان کی تشکیل کے لیے میاں، بیوی کو ایک دوسرے کی جائز خواہشات کے احترام کا حکم دیتا ہے۔ خاندانی نظام کو قائم رکھنے کے لیے میاں، بیوی مل جل کر گھر کی ذمہ داریوں کو نبھائیں۔ اسلام جہاں میاں، بیوی کے حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا ہے وہاں ہی اولاد کے حقوق اور ذمہ داریوں کو بھی واضح کرتا ہے۔ اولاد کی عمدہ تعلیم و تربیت ماں، باپ پر اولاد کا پہلا حق ہے۔ ماں، باپ مل کر ہی اولاد کی مثالی تربیت کر سکتے ہیں۔ رفاقت جاوید ان مسائل پر بھی بھرپور روشنی ڈالتی ہیں جو اولاد کی عمدہ تربیت نہ کرنے کی وجہ سے پیش آتے ہیں، کیونکہ عمدہ تربیت ہی انسان کی کردار سازی کر سکتی ہے اور انسان کی سوچ کو مثبت کر سکتی ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ انسان جو کچھ بچپن میں والدین سے سیکھتا ہے وہی اس کے کردار میں جھلکتا ہے۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے یہ ضروری ہے کہ والدین اپنی اولاد کو دینِ اسلام کی طرف راغب کریں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ان کی پرورش کریں۔ اولاد کی تربیت کے حوالے سے ضروری ہے کہ جہاں والدین اولاد کی دنیاوی ضروریات کو پورا کریں انھیں اچھا رہن سہن، لباس اور خوراک فراہم کریں، وہاں انھیں تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ کریں۔ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان اور حیوان میں فرق کرتی ہے۔ تعلیم سے مراد صرف دنیاوی تعلیم نہیں بلکہ دین و دنیا دونوں کی تعلیم والدین کا اہم فریضہ اور اولاد کا بنیادی حق ہے۔ ہمارا مذہب بھی تعلیم پر بہت زور دیتا ہے۔

تعلیم و تربیت کا سلسلہ انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ماں کو پہلی درسگاہ کا درجہ اسی لیے دیا جاتا ہے، انسان کی تربیت کا آغاز ماں سے ہوتا ہے اور جیسے جیسے انسان بولنا شروع کرتا ہے تو وہ اپنے آس پاس کے ماحول سے زبان اور الفاظ سیکھتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ بچے کے سامنے اخلاقیات کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ اسے اخلاقی تعلیم حاصل ہو اور وہ عمدہ اخلاقیات سیکھ سکے۔ اسلام چونکہ قیامت تک کے آنے والے انسانوں کے لیے رہنمائی اور حق کا دین ہے اس لیے اسلام زمانے کی قید سے آزاد ہے اور کہیں بھی انسانوں کو ماضی کی قید میں نہیں رکھتا بلکہ اسلام میں جدت ہے اور یہ وقت کے ساتھ ساتھ چلنے کا درس دیتا ہے۔ جہاں انسان کے رہن سہن، اور روایات میں جدت آئی ہے وہاں ہی تعلیم بھی سائنس کی وجہ سے جدید ہوئی ہے اور ایسا ہرگز نہیں کے اسلام صرف دین کی تعلیم کا ہی حکم دے کر جدید تعلیم سے روکتا ہے۔ اس لیے دنیاوی تعلیم کو بھی اسلام ترجیح دیتا ہے۔ اس لیے بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنا انھیں تعلیم کی اہمیت سے

واقف کرانا بھی والدین کی ہی ذمہ داری ہے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کی اخلاقی، ایمانی اور عقلی تربیت بھی کی جائے تاکہ وہ کسی بھی معاشرے کے لیے مفید ثابت ہو سکیں۔ اولاد کو حکمت کی باتیں بتائیں اور ان کو کتابوں کی اہمیت سے آگاہ کریں تاکہ کتابوں سے بچوں کی دلچسپی بڑھے۔ موجودہ دور میں انسان کتاب سے دور ہوتا جارہا ہے کیونکہ وہ اس کی اہمیت کو بھلا بیٹھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی روایات اور تاریخ کو بھی بھول گیا اور ایسے معاملات میں پڑ گیا ہے جو کسی بھی معاشرے کو تباہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

کسی بھی انسان کے کردار پر اس کے ماحول کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے اور اگر والدین ہی بچوں کی نفسیات کو نہ سمجھیں گے تو بچے بہت سے نفسیاتی مسائل اور احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے۔ یہ احساس ساری زندگی ان کے ساتھ رہے گا اور زندگی کے ہر معاملے میں یا تو خود کو کسی قابل نہ سمجھیں گے یا پھر سب ان کے غصے کا شکار رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچا کر بھی انھیں یہ احساس تک نہ ہو گا کہ انھوں غلط کیا ہے۔

رفاقت جاوید نے جہاں اپنے ناولوں میں میاں، بیوی کے تعلقات اور ان کی ذمہ داریوں کے مسائل، بچوں کی تربیت اور بچوں پر میاں بیوی کی علیحدگی کے اثرات جیسے اہم سماجی مسائل کو بیان کیا ہے وہاں ایک اور اہم مسئلہ جو عام طور پر نظر انداز ہوتا ہے جو کے لے پالک اولاد کا ہے، اسے بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی بھی خاندان اولاد سے ہی مکمل ہوتا ہے اور اولاد ہر انسان کی فطری خواہش بھی ہے۔ لیکن اکثر اولاد کا نہ ہونا بھی میاں، بیوی کے درمیان فاصلے کو بڑھا دیتا ہے اور بہت سے مسائل بھی اسی کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں، کیونکہ اولاد کے ہو جانے سے خود بخود میاں، بیوی کے بہت سے اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے کسی کے ہاں اولاد نہ ہو تو اس کمی کو پورا کرنے اور اپنی فطری خواہش کی تسکین کے لیے ہمارا معاشرہ اور ہمارا دین اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی بھی لاوارث یا کسی دوسرے کی اولاد کو لے کر اپنی اولاد کے طور پر پالا جائے۔ اگر مذہب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ہمارا دین کبھی بھی یہ لازم نہیں کرتا کہ آپ کسی کی اولاد کو پالیں یا اس کی ذمہ داری اٹھائیں لیکن اگر کسی بھی وجہ سے یہ ذمہ داری انسان پر آجائے تو پھر یہ لازم ضرور کرتا ہے کہ اس سے انسانیت کے ناطے وہی سلوک روا رکھا جائے جو اپنی اولاد سے ہوتا ہے۔ اولاد کے ساتھ والدین کی محبت فطری عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے والدین کے دل میں ڈالی گئی ہے۔ اگر انسان وہی محبت اور رویہ لے پالک اولاد کے ساتھ قائم رکھ سکے تو اللہ کے نزدیک یہ ایک نیکی اور عبادت کا بھی درجہ رکھتا ہے، لیکن اس کے برعکس اگر انسان لے پالک اولاد کے ساتھ ہمدردی کا رویہ نہ رکھے تو وہ قصور وار ٹھہرایا

جائے گا۔ رفاقت جاوید ایسی ہی کہانی بیان کرتی ہیں جہاں اولاد کی خواہش کی تکمیل کے لیے ایک بچی کو اپنایا جاتا ہے لیکن بعد میں جب رب تعالیٰ ان کو اپنی اولاد سے نوازتا ہے تو ان کے اس لے پالک بچی کے ساتھ کیا رویہ ہوتا ہے، خاص طور پر ماں کا رویہ کس طرح تشویش ناک ہو جاتا ہے اور اس رویے سے اس بچی کی زندگی پر کتنے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ انسانیت کے ناطے بھی ہمیں ایسے بچوں سے کیا سلوک روا رکھنا چاہیے اور دینی لحاظ سے کیسے ہم ایسے بچوں کا حق ادا کر سکتے ہیں۔ اسلام نے جہاں زندگی گزارنے کے حوالے سے تمام پہلوؤں پر واضح تعلیمات دی ہیں وہاں ہمارا مذہب لے پالک اولاد کے حقوق بھی واضح طور پر بیان کرتا اور اسی لیے لے پالک اولاد کی تعلیم و تربیت اور وراثت میں ان کے حصے کو بھی اسلام بالکل واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ معاشرے میں کسی بھی قسم کے مسائل پیدا نہ ہوں۔

معاشرے میں لے پالک اور گود لیے بچوں کے حوالے سے دو طرح کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ ایک تصور تو یہ ہے کہ لے پالک بچوں کی تربیت کی جائے اور ان کا بھرپور خیال رکھا جائے لیکن ان کی ولدیت تبدیل نہ کی جائے اور دوسرا خیال یہ پایا جاتا ہے کہ ان بچوں کی تربیت کی جائے اور ان کا خیال رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی نسبت بھی تبدیل کر دی جائے اور اس گھرانے کی طرف کر دی جائے جس نے اسے پالا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ابتدا میں دوسرے تصور کو جائز کہا گیا اور اسی وجہ سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے منسوب کیا گیا اور ان کا نام "زید بن محمد" پڑ گیا۔ اسی طرح سالم رضی اللہ عنہ کو ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا جاتا تھا تو ان کا نام "سالم بن ابو حذیفہ" پڑ گیا تھا۔ لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو شریعت سے خارج کر دیا اور حکم فرمایا کہ ہر شخص کو اس کی ولدیت کے نام سے بلایا جائے۔

بنیادی طور پر اس کی یہ وجہ ہے کہ نسب سے بہت سے احکامات تعلق رکھتے ہیں، مثلاً: پرورش، رضاعت، وراثت، سرپرستی، قصاص، نفقہ، قصاص، حد تہمت، چوری کی حد، گواہی اور دیگر امور کا تعلق نسب سے کافی گہرا ہوتا ہے۔ البتہ یہ تصور کہ جس میں غریب یا یتیم بچے کی دیکھ بھال اسی طرح کی جائے جیسے انسان اپنی اولاد کی کرتا ہے اور اس کی ولدیت اور نسب کو بدلہ نہ جائے، تو یہ حرام نہیں ہے، بلکہ یہ تو جلیل القدر نیکی ہے۔ اسلام کا لے پالک اور گود لینے کی رسم کو ختم کرنے کا مطلب یہ ہر گز نہیں کہ انسانیت یا اسلامی حقوق جیسے صلح رحمی، بھائی چارگی، احسان اور الفت و محبت جیسی قدروں کو ختم کر دیا جائے۔ اسلام چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے احترام کا حکم اور درس دیتا ہے۔ انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ کسی چھوٹے کو محبت اور شفقت سے

بیٹا کہہ کر پکارے تاکہ اس محبت کے رویے سے وہ اس کی بات توجہ سے سنے۔ بالکل اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ کسی بڑے شخص کو اے میرے والد کہہ کر پکارے تاکہ اس کی اطاعت حاصل ہو۔ یہ سب اس لیے بھی ضروری ہے کہ معاشرے میں امن کی فضا قائم ہو سکے اور لوگوں میں انسانیت اور سچی بھائی چارگی پیدا ہو سکے۔ لے پالک اولاد کے حوالے سے عام طور پر معاشرے میں زیادہ علم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مسائل پیدا ہوتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہے کہ کسی بھی بچے کو گود لینے سے پہلے اس کے حوالے سے اسلامی تعلیمات اور قوانین سے واقفیت حاصل کر لی جائے تاکہ خلاف شرع کو عمل سرزد نہ ہو۔ جیسے اس معاملہ اسلام یہ بات بالکل واضح کرتا ہے کہ نامحرم لے پالک سے پردہ کرنا بھی لازم ہے۔ جبکہ اس بات کا بالکل خیال نہیں رکھا جاتا اور یہ سوچ کر کے اولاد ہے جب وہ بالغ بھی ہو جائے تو اس سے پردہ نہیں کیا جاتا۔ لے پالک اولاد کے پردے کے حوالے سے اسلام کے احکامات بالکل واضح ہیں، اگر عورت کوئی غیر محرم بچہ لے کر پالے تو اُسے اڑھائی سال کی عمر میں وہ عورت خود یا اس کی بہن یا ماں دودھ پلا دیں تو وہ بچہ رضاعی بیٹا یا بیٹی، بھانجا یا بھانجی، بھائی یا بہن بن کر، اس عورت کے لئے محرم ہو جائے گا۔ اگر لڑکی لے پالک ہو تو اسے شوہر کی بہن یا ماں بھی دودھ پلا دیں تو وہ منہ بولے باپ کے لئے محرم ہو جائے گی اور اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو بہت سے مسائل اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں جو گھروں کو برباد کر کے رکھ دیتی ہیں۔

اسلام لے پالک بچوں کے حوالے وراثت کے معاملات کو بھی صاف صاف بیان کرتا ہے اور اسلام کے مطابق لے پالک اولاد کا والدین کے وراثت میں کوئی حصہ نہیں، یعنی والدین کی وفات کے بعد لے پالک بچہ والدین کی جائیداد کے کوئی حق نہیں رکھتا، لیکن اگر والدین چاہیں تو اپنی زندگی میں گود لیے بچے کو اپنی وراثت سے تحفہ کے طور پر عطا کر سکتے ہیں۔ معاشرے میں توازن برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات اور قوانین پر عمل درآمد کیا جائے۔ اس حوالے سے رفاقت جاوید نے بھی اپنے ناول "حوا کے روپ ہزار" میں ایک لے پالک بچی کی کہانی ہی کو بیان کیا اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ کیسے ایک لے پالک بچی کی تربیت میں فرق اسے بہت سے نفسیاتی مسائل سے دوچار کرتی ہے اور کس طرح ان نفسیاتی مسائل سے ایک خاندان تباہ ہو جاتا ہے۔ اسلام لے پالک اولاد کو حقیقی اولاد کا درجہ تو نہیں دیتا لیکن انسانیت کے ناطے لے پالک اولاد سے وہی سلوک روا رکھنے کا حکم ضرور دیتا ہے جو حقیقی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے لے پالک بچوں کی پرورش بھی اسلام کے انھیں سنہری اصولوں پر کی جائے جو تربیت اولاد کے لیے اسلام

نے وضع کیے ہیں تا کہ معاشرے میں کسی بھی کسی کی بد امنی نہ ہو اور ایک پر امن معاشرے کا قیام یقینی ہو سکے۔

آج کے اس ترقی یافتہ دور میں جب انسان چاند سے بھی آگے کی سوچ رکھتا ہے اور اس کی منزل شاید آسمانوں سے بھی پرے ہے۔ سائنس آنے والے ہر لمحے میں نئے نئے کرشمے دکھا رہی ہے اور انسان کامیابی کی بلندیوں کو چُھو رہا ہے۔ تعلیم کی شرع روز بروز بڑھ رہی ہے اور انسان جہالت کے اندھیروں سے باہر نکل رہا ہے۔ بد قسمتی سے انسان اس سب کے باوجود اخلاق قدریں کھو رہا ہے اور مادیت پرستی کی اس دوڑ میں وہ اس قدر تیز بھاگ رہا ہے کہ انسانیت دم توڑتی جا رہی ہے۔ برداشت اور صبر کا مادہ انسان سے اسی تیزی سے ختم ہو رہا ہے اور اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی لگن میں اسے یہ محسوس ہی نہیں ہو رہا کے وہ اپنوں سے کوسوں دور نکل گیا ہے۔ آج اتنی کامیابیوں کے بعد ہونا تو یہ ہی چاہیے تھا کہ انسان کی زندگی پہلے سے زیادہ پر سکون ہوتی لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ انسان غاروں سے نکل کر محلوں تک تو پہنچ گیا لیکن وہ معاشرہ قائم نہ کر سکا جس میں انسان کی قدر کی جائے۔ ادب ہر دور میں انسان کی اصلاح کے لیے کوشاں رہا اور معاشرے کو آیئنہ دکھانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب جب انسان نے مذہب سے دور ہوا معاشرے کا امن جاتا رہا۔ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں سے وہ مذہب ہے جس نے ایک ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھایا، جس کی بنیاد عدل وانصاف، اخوت، بھائی چارے اور محبت پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کو ساری کائنات کے لیے رحمت بنا کر بھیجا اور آپؐ نے ایسے ہی معاشرے کی بنیاد رکھی جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ مسلمان جب تک اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہے ان کی فتوحات کا سلسلہ بڑھتا گیا اور ایک وقت تھا جب مسلمان پوری دنیا پر حکمران تھے۔ لیکن جیسے جیسے مسلمانوں نے اسلام کا دامن چھوڑا ان کے زوال کا بھی آغاز ہو گیا۔ اور دیکھتے دیکھتے آج ساری دنیا میں وہی فاتح قوم جس نے دارا اور سکندر جیسے بادشاہوں کا تاج قدموں میں روندا تھا، شکست خوردہ حالت میں آگئی۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ مسلمان معاشرے کی تباہی اور مسائل کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اسلام سے دوری ہے۔

کسی معاشرے کی بقا اور ترقی کے لیے لازم ہے کہ وہاں قانون کی بالادستی ہو کیونکہ قوانین ہی ایک پر امن اور متوازن معاشرے کو قائم رکھ سکتے ہیں۔ جو قومیں اپنی روایات اور قوانین سے روگردانی کرتیں ہیں وہ فنا ہو جاتی ہیں۔ معاشرے کو تباہی سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کی بنیاد

عدل وانصاف پر قائم ہو۔ کوئی معاشرہ قوانین کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔ کسی معاشرے کے قوانین ہی اس میں نظم وضبط پیدا کرتے ہیں اور یہی نظم وضبط انسانوں اور حیوانوں میں فرق کرتا ہے۔ کسی بھی ریاست کی ترقی کا انحصار بھی اسی بات میں پوشیدہ ہے کہ وہاں قانون کی کتنی پاسداری کی جاتی ہے۔ تہذیب یافتہ معاشروں نے قانون پر عمل پیرا ہو کر ہی دنیا میں ایک مقام پیدا کیا ہے۔ قانون توڑنے اور اُصول وضوابط کا احترام نہ کرنے سے افرا تفری پھیل جاتی ہے، جس کی بنا پر نہ صرف افراد کا سکون برباد ہو جاتا ہے، بلکہ سارے معاشرے اور قوم کی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں مختلف طبقہ فکر اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ موجود ہوتے اس لیے یہ ضروری ہے کہ معاشرے کے امن کے لیے ایسے قوانین ہوں جو تمام طبقوں اور مذاہب کے لوگوں کو تحفظ مہیا کرتے ہوں۔

پاکستان ایک اسلامی ملک ہے۔ اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس میں تمام انسانوں کے لیے محبت اور سلامتی کا درس ہے۔ ہم نے اسلامی قوانین اور اسلامی شریعت سے روگردانی کی تو زوال ہمارا مقدر ہوا۔ اس لیے مذہبِ اسلام نے مسلمانوں کو قانون کا احترام اور پابندی کرنے کی تاکید کی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کے اسلام ایک آفاقی دین ہے اور قیامت تک رہتی دنیا کے لیے ہدایت اور کامیابی اسی دین میں ہے۔ لیکن کسی بھی معاشرے یا ملک میں تمام مذاہب کے لوگ موجود ہوتے ہیں اس لیے ریاست ایسے قوانین بناتی ہیں جو معاشرے کے تمام افراد کے لیے یکساں مفید ہوں اور کسی کی کوئی حق تلفی نہ ہو، تاکہ معاشرے کا امن خراب نہ ہو۔ پاکستان کے قوانین اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ہی مرتب کیے گئے ہیں۔ جرم اور سزا کا اسلامی قانون اور اسلامی فلسفہ سماج میں عدل، مساوات، امن اور سلامتی کا ضامن ہے۔ اسلامی قانون اور اسلامی شریعت ہر عہد کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں، موجودہ دور میں بدامنی، انتہا پسندی، لاقانونیت اور دہشت گردی کی بنیادی وجہ اسلامی شریعت سے انحراف اور اسلامی قوانین پر عمل نہ کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی قانون معاشرے کی فلاح کا ضامن ہے اور اس میں معاشرے کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ اسلامی معاشرے میں نماز میں قانون کی پابندی کی خوبصورت تصویر موجود ہے، ایک صف میں کھڑے ہو کر ایک قبلے کی طرف رُخ کر کے ایک امام کی اقتداء میں قیام، رکوع اور سجود، زید، عمرو بکر، محمود و ایاز سب مل کر ہمیں قانون کی پابندی سکھاتے ہیں اور دلوں میں احترامِ قانون کا احساس پیدا کرتے ہیں۔

رفاقت جاوید نے اپنے ناولوں میں ان قانونی مسائل کی طرف معاشرے کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جن کو نظر انداز کرنے سے معاشرے کا استحکام خطرے میں ہے۔ ان مسائل کو نہ صرف ہمارا مذہب بیان کرتا ہے بلکہ ہمارا ملکی قانون بھی ان کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان میں سب سے اہم مسائل وراثت کے ہیں۔ وراثت کے قوانین کسی بھی ملک یا ریاست کی قانون سازی کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ وراثت ہی کے ذریعے کسی مرنے والے کی جائیداد منصفانہ طور پر دوسروں تک منتقل کی جاسکتی ہے۔ پاکستان جیسے کئی اور ممالک میں بہت سے لوگوں کا کاروبارِ زندگی کا انحصار اسی وراثتی جائیداد پر ہوتا ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اس لیے اس میں وراثتی قوانین قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق رائج ہیں لیکن بدقسمتی سے پاکستان میں عملی صورتحال یہ ہے کہ عورتوں کو اکثر و بیشتر ان کے شرعی اور قانونی حقِ وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ عورتوں کو ان کے اس حق سے محروم رکھنے سے معاشرے بہت سے اور مسائل کا شکار ہو جاتا ہے، اس کا سب سے بڑا ردِ عمل بدامنی کی صورت میں سامنے آتا ہے اور خونی رشتے بھی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔

اسلام سے قبل دور جاہلیت میں عربوں کی نظر میں عورت خود مال کی حیثیت رکھتی تھی جسے وراثت کے طور پر تقسیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح مرنے والے کی میراث صرف طاقتور مردوں کو ملتی تھی، نابالغ بچوں اور عورتوں کو محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں وراثت کی تقسیم ان ہی اسباب کی بناء پر ہوتی رہی جن کے ذریعے دور جاہلیت میں ہوتی تھی۔ اسلام نے شروع میں لوگوں کو ان کی سابقہ حالت پر چھوڑ رکھا لیکن پھر دور جاہلیت کے طریقے کو منسوخ کر دیا اور ان کی جگہ منصفانہ نظام اور مکمل اصول وضوابط مقرر کر دیے۔

رفاقت جاوید وراثت میں عورت کے حق کے اسی مسئلے کو بیان کرتی ہیں اور اس سے پیدا ہونے والی صورتحال سے معاشرے کو خبردار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ یہ عورت کا شرعی اور قانونی حق ہے جس سے اگر اسے محروم رکھا جائے گا تو رشتوں اور معاشرے دونوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ اسلامی شریعت کے مطابق عورت مختلف حیثیتوں میں وراثت کی حق دار قراد دی گئی ہے، البتہ یہ لازمی نہیں کہ ہر صُورت اور ہر حیثیت میں خاتون وراثت پائے۔ یہ مختلف حیثیت ماں، بیٹی، بیوی، ، دادی، نانی، ، پوتی، نواسی، بہن (سگی، باپ شریک، ماں شریک)، پھوپھی اور خالہ کی ہیں۔ ان میں سے کچھ رشتوں کے حصّوں کا تناسب قرآنِ پاک اور سنّتِ رسول ﷺ نے طے کر دیا ہے، جسے بدلہ نہیں جاسکتا۔ البتہ، خواتین کے چند رشتے ایسے بھی ہیں، جہاں وہ قریبی ہونے کے باوجود میراث کی حق دار نہیں ہوتیں۔ جیسے سوتیلی بیٹی، سوتیلی ماں، بہو،

ساس، نند، چچی، بھابھی اور ممانی وغیرہ۔ کیوں کہ ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہوتا اور ان سب کا تعلق دوسرے خاندان سے ہوتا ہے، جہاں سے وہ حصّہ پاتی ہیں۔ نیز، رضاعت کے رشتے بھی وراثت کے حق دار نہیں۔ اِسی طرح منہ بولی بیٹی ہو یا بیٹا، لے پالک بیٹی یا بیٹے کا بھی وراثت میں کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ قانون اور اسلام عورت کے حق وراثت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن پاکستان میں عملی صورتحال بالکل مختلف ہے۔ خاندان میں یہی کوشش کی جاتی ہے کہ کارخانے اور کاروبار تو بیٹوں کو ہی ملیں اور بیٹیوں کو جہیز دے دیا جائے۔ زمیندار اور جاگیردار لوگ تو کوشش کرتے ہیں کہ کسی بھی طرح سے لڑکی کی شادی خاندان سے باہر نہ کی جائے تاکہ جائیداد خاندان سے باہر نہ جائے۔ ان کو دیکھ کر عام لوگ بھی اپنی بیٹیوں، بہنوں کو وراثت سے محروم رکھتے ہیں۔ عورت جہاں زندگی کے باقی معاملات میں مجبور اور بے بس دکھائی دیتی ہے، وراثت کے حق میں بھی وہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ اس کا شرعی اور قانونی حق ہے، خاندان کے امن وسکون کے لیے وہ خاموشی اختیار کرتی ہے اور رشتوں کو ترجیح دیتی ہے۔

وراثت ایک پیچیدہ لیکن اسلامی قانون کا ایک مرکزی نقطہ ہے۔ قرآن پاک میں وراثتی قوانین کو نہایت واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ بعض مسلم ممالک میں وراثت کے قرآنی قوانین پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ کچھ مسلم ممالک میں وراثتی قوانین میں جزوی ترامیم بھی کی گئی ہے۔ بعض معاملات میں شیعہ قانون سنی قانونِ وراثت سے مختلف ہے۔ پاکستان میں وراثت کے قوانین کو دیکھا جائے تو اس میں کافی ابہام بھی رہا کیونکہ ایک طویل عرصے تک پاکستان بننے کے بعد بھی اکثر علاقوں اور خاندانوں میں وراثت کے معاملات مسلم قانون کے تحت نہیں بلکہ رواجی قانون کے تحت ہی کیے جاتے رہے ہیں۔

کسی صورت بھی عورت کو حقِ وراثت سے محروم نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر عورت خود بھی اپنا یہ حق چھوڑ دے تو بھی یہ حق زائل نہیں ہوتا اور شرعی اور قانونی طور پر قائم رہتا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اگر حقیقت دیکھی جائے تو پاکستان اسلامی ریاست ہونے کے باوجود یہاں عورتوں کو حقِ وراثت نہیں دیا جاتا۔

موجودہ دور کا ایک اہم مسئلہ بڑھتی ہوئی آبادی ہے، جس کے باعث اگر پاکستان کی صورتحال کو دیکھا جائے تو یہاں وسائل کے تناسب سے آبادی بہت زیادہ ہے جس وجہ سے لوگوں کو بنیادی ضروریات بھی میسر نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے لوگوں کی بڑی تعداد غربت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ آبادی کے اس مسئلے کو حل کرنے کا ایک طریقہ خاندانی منصوبہ بندی ہے۔ کیا کوئی جوڑا یا کوئی عورت بچوں کے پیدائش

میں کوئی ایسی منصوبہ بندی کر سکتی ہے جو ان کی، خواہشات، صحت تندرستی، ضروریات اور بچوں کی تعلیم و تربیت سے ہم آہنگ ہو، اسلام اس پہلو سے کیا رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے یا اس سے روکتا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی بھی ہمارے معاشرے کا ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

دورِ حاضر میں جیسے جیسے انسان نے ترقی کی ہے انسان کی زندگی میں سائنس کی بدولت بہت سی سہولیات تو آگئی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی اتنی ہی مشکل بھی ہوتی جارہی ہے۔ عام انسان کے اخراجات اس کی آمدن سے کئی زیادہ ہوگئے ہیں اور سائنسی ایجادات کی وجہ سے وہ تمام اشیاء جن کے بغیر بھی کبھی زندگی ممکن تھی، آج ان کے بغیر زندگی گزارنا بالکل ناممکن سا ہو گیا ہے۔ ضروریات کے بڑھنے کی وجہ سے انسان کو گاؤں، دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا پڑا اور شہر کی زندگی، گاؤں کی نسبت بہت مشکل اور مصروف ہے جس کی وجہ سے اب انسان اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے کی تو کوشش کرتا ہے لیکن اس کی تربیت کو بہت جگہ پر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس ساری صورتحال کے پیشِ نظر خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت بھی بڑھ گئی ہے۔ دیہاتی اور سادہ زندگی میں چونکہ انسان کی خواہشات اور ضروریات زیادہ نہ تھیں اس لیے شاید یہ اتنا اہم مسئلہ نہ تھا لیکن اب وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ نہ صرف ملکی سطح کا مسئلہ ہے بلکہ اب ساری دنیا میں یہ ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے اسلام کے احکامات واضح ہیں، لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میاں، بیوی دونوں کی مرضی کے خلاف ایسا کیا جائے۔ خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے لیکن اس صورت میں جب کہ میاں بیوی دونوں اس کے لئے رضامند ہوں۔ یہ حنفی علماً کی رائے ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ اولاد کا حصول میاں بیوی دونوں کا برابر حق ہے، اس لئے کسی ایک فریق کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر اسے اولاد سے محروم کر دے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو میاں، بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام جاتا رہے گا اور بہت سے نفسیاتی مسائل پیدا ہو جائیں گی جس سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جائے۔ رفاقت جاوید اسی نفسیاتی مسئلے کو بیان کرتی ہیں۔ انسانی ضروریات زندگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جہاں اسلام نے بچوں کی پیدائش میں وقفے کی گنجائش رکھی ہے وہاں یہ بھی لازم کیا ہے کہ ایسا کرنا تب ہی جائز ہو گا جب میاں، بیوی دونوں اس پر رضامند ہوں گے، دونوں میں سے ایک کو بھی یہ حق

حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کی مرضی کے بغیر اکیلے ہی ایسا کوئی بھی فیصلہ کرے۔ اسلام نے اس معاملے میں میں یہ بھی لازم کیا ہے کہ اگر مرد ایسا چاہے گا تو عورت سے اجازت لینا لازمی ہے۔

رفاقت جاوید موجودہ دور کے مسائل پر گہری نظر رکھنے والی شخصیت ہیں اور اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے معاشرے کو ان مسائل سے آگاہ بھی کرتی ہیں۔ انھوں نے صرف ان مسائل کی ہی نشاندہی نہیں کی جن سے معاشرہ پہلے ہی واقف ہے بلکہ وہ ان مسائل کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتی ہیں جن کو عام طور نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اسلام سے لگاؤ بھی ان کی شخصیت کا خاصا ہے اور بخوبی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہماری نسلیں اسلام سے دور ہو رہی ہیں جس وجہ سے معاشرہ بے شمار مسائل کا شکار ہو چکا ہے۔ معاشرے میں صبر اور برداشت کا مادہ ختم ہو چکا ہے اور یہ اسلام سے دوری ہی ہے کہ ہم ہر مسئلے کا حل مغرب کی تہذیب میں ہی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر ہم انھیں کے رسم و رواج کو اپنانے کی کوشش کرتے ہیں جو ہمارے معاشرے کے لیے کسی طرح سے مناسب نہیں۔

## ۲۔ نتائج:

رفاقت جاوید کے ناولوں کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ ان کے پاس عصری مسائل کے مشاہدے کی بے پناہ قوت موجود ہے۔ آپ نے ان ناولوں میں معاشرے کے مسائل کو منفرد انداز میں پیش کیا ہے اور ہماری توجہ ان وجوہات کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی ہے جو معاشرے میں مسائل کو جنم دیتی ہیں۔ رفاقت جاوید کے نزدیک معاشرے کے مسائل کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری ہے۔ اگر اسلامی قوانین کو عملی طور پر معاشرے میں نافذ کر دیا جائے تو ہمارا معاشرہ مسائل سے پاک ہو جائے گا۔ ان کے نزدیک اسلام چونکہ ہر فرد کی ذمہ داریوں اور حقوق کو واضح کرتا ہے تو اگر معاشرے کا ہر فرد اپنی ذمہ داری کو پورا کرے اور ہر فرد کو اس کے حقوق ملیں تو وہی مثالی معاشرہ قائم گا ہو جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں دیا ہے۔

رفاقت جاوید میاں، بیوی کی ذمہ داریوں اور حقوق کی بات خاص طور پر کرتی ہیں، کیونکہ کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں خاندان بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ اور کسی بھی خاندان کی تشکیل میں میاں، بیوی کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر میاں، بیوی اپنی ذمہ داریاں پوری توجہ سے نبھائیں گے تو ہی ایک مثالی

خاندان قائم کر پائیں گے۔ میاں، بیوی کے آپس کے تعلقات جتنے عمدہ ہونگے اور ان میں جتنی زہنی ہم آہنگی ہو گی اتنا ہی وہ بچوں کی تربیت اعلیٰ اصولوں پر کر سکیں گے۔ سماجی مسائل میں رفاقت جاوید کی نظر میں موجودہ دور میں اولاد کی تربیت بہت اہمیت کی حامل ہے۔ بچے ہی کسی قوم کا مستقبل ہوتے ہیں۔ اگر اولاد کی تعلیم و تربیت اسلام کے اصولوں کے تحت کر کے ہی ان کی کردار سازی کی جاسکتی ہے۔ یہ والدین کا فرض بھی ہے کہ وہ بچوں کی جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی اخلاقی تربیت بھی کریں۔ بچوں کا دین سے لگاؤ اسی صورت میں ممکن ہے جب والدین ان کے دل میں اپنے مذہب کی محبت پیدا کریں گے۔ رفاقت جاوید اسی مسئلے کو اپنے ناول میں نمایاں کرتی ہیں۔

اولاد کی تربیت کے ساتھ رفاقت جاوید لے پالک اولاد کے مسئلے کو بھی بیان کرتی ہیں۔ عام طور پر اس پر کچھ خاص توجہ نہیں دی جاتی۔ اسلام کبھی بھی لے پالک بچوں کے لیے زبردستی نہیں کرتا لیکن ایک اسلامی معاشرے میں انسانیت کے ناطے یہ لازم کرتا ہے کہ اگر کوئی بھی کسی بچے کو گود لے تو اس کی تعلیم و تربیت کو اتنی ہی اہمیت دے جتنی اپنی اولاد کو دی جاتی ہے۔ اسلام اور پاکستان کا قانون لے پالک بچوں کے حقوق کے بار ے میں کیا کہتا ہے، رفاقت جاوید انھیں مسائل کو اپنے ناولوں میں بیان کرتی ہیں۔ اور ان کا حل اسلامی نقطہ نظر سے پیش کرتی ہیں۔

پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اور اسلام کے نام پر ہی حاصل کیا گیا تھا، اس لیے پاکستان کا آئین بھی اسلامی اصولوں پر مرتب کیا گیا ہے۔ لیکن اسلامی قوانین تو موجود ہیں لیکن بد قسمتی سے ان پر عمل نہیں کیا جاتا۔ رفاقت جاوید انھیں اسلامی قوانین کی اہمیت کو اپنے ناولوں کے ذریعے اجاگر کرتی ہیں۔ اور وہ معاشرے کو باور کرانا چاہتی ہیں کے ان قوانین کا انحراف ہمارے معاشرے کو تباہی کی طرف لے جارہا ہے۔ اگر ہم ان قوانین کو خود پاسداری نہیں کریں گے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اپنی آنے والی نسلوں کو ان پر قائل کر سکیں۔ حقوقِ نسواں ہمارے معاشرے کا اہم موضوع ہے اس پر متعدد ادیبوں نے ہر دور میں لکھا ہے ،لیکن رفاقت جاوید حقوقِ نسواں کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پیش کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ جانتی ہیں کہ جو مقام اور حقوق اسلام نے عورت کو دیے ہیں وہ کسی مذہب نے نہیں دیے۔ اور خواتین کے حقوق کی پاسداری جتنی اسلامی معاشرے میں ہو سکتی ہے وہ کسی معاشرے میں نہیں۔ وہ آج کی نوجوان نسل کو ان مغربی اور غیر

اسلامی فرسودہ تحریکات سے بچانے کی کوشش کرتی ہیں اور انھیں یہ احساس دلانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ہماری بقاء صرف اسلام اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہی ہو سکتی ہے۔

حقوقِ نسواں کے حوالے سے ہی رفاقت جاوید اپنے ناولوں میں اُس مسئلے کی بھی نشاندہی کرتی ہیں جسے اکثر و بیشتر نظر انداز کر دیا جاتا ہے وہ مسئلہ عورت کا حقِ وراثت ہے۔ عام طور یہی ہوتا ہے کہ والدین اپنی زندگی میں وراثت کی تقسیم نہیں کرتے جس سے ان کی وفات کے بعد مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور بھائی تو اپنا حصہ حاصل کر لیتے ہیں لیکن بہنیں یا تو انھیں اس سے محروم رکھا جاتا ہے یا پھر وہ بھائیوں کی محبت یا حالات کے پیشِ نظر اپنا حق نہیں مانگتی۔ جب کے اسلامی احکامات کے مطابق عورتوں کو ان کا حق دینا واجب ہے اگر کوئی حق اپنا حق وراثت خود بھی چھوڑ دے پھر بھی لازم ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ شرعی طور پر بھی اور قانونی طور پر بھی یہ عورت کا حق ہے جو ادا کرنا لازم ہے۔ رفاقت جاوید عورت کے اس حق کے لیے آواز بلند کرتی ہیں اور معاشرے کو اس سے پیدا ہونے ان مسائل سے بھی آگاہ کرتی ہیں جو آگے چل کر پہلے خاندانوں اور پھر سماج کا امن برباد کرتے ہیں۔

جیسے جیسے انسان نے ترقی کی ہے انسان کی زندگی میں سائنس کی بدولت بہت سی سہولیات تو آگئی ہیں لیکن ان کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی اتنی ہی مشکل بھی ہوتی جا رہی ہے۔ عام انسان کے اخراجات اس کی آمدن سے کئی زیادہ ہو گئے ہیں اور سائنسی ایجادات کی وجہ سے وہ تمام اشیاء جن کے بغیر بھی کبھی زندگی ممکن تھی، آج ان کے بغیر زندگی گزارنا بالکل ناممکن سا ہو گیا ہے۔ ضروریات کے بڑھنے کی وجہ سے انسان کو گاؤں، دیہاتوں کو چھوڑ کر شہروں کا رخ کرنا پڑا اور شہر کی زندگی، گاؤں کی نسبت بہت مشکل اور مصروف ہے جس کی وجہ سے اب انسان اپنی اولاد کی ضروریات پوری کرنے کی تو کوشش کرتا ہے لیکن اس کی تربیت کو بہت جگہ پر نظر انداز کر دیتا ہے۔ اس ساری صورتحال کے پیشِ نظر خاندانی منصوبہ بندی کی ضرورت بھی بڑھ گئی ہے۔ دیہاتی اور سادہ زندگی میں چونکہ انسان کی خواہشات اور ضروریات زیادہ نہ تھیں اس لیے شاید یہ اتنا اہم مسئلہ نہ تھا لیکن اب وسائل کی کمی کی وجہ سے یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ نہ صرف ملکی سطح کا مسئلہ ہے بلکہ اب ساری دنیا میں یہ ایک اہم مسئلہ بن چکا ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے اسلام کے احکامات واضح ہیں، لیکن اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ میاں، بیوی دونوں کی مرضی کے خلاف ایسا کیا جائے۔ خاندانی منصوبہ بندی جائز ہے لیکن اس

صورت میں جب کہ میاں بیوی دونوں اس کے لئے رضامند ہوں۔ یہ حنفی علماً کی رائے ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ اولاد کا حصول میاں بیوی دونوں کا برابر حق ہے، اس لئے کسی ایک فریق کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے فریق کی رضامندی کے بغیر اسے اولاد سے محروم کر دے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو میاں، بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام جاتا رہے گا اور بہت سے نفسیاتی مسائل پیدا ہو جائیں گی جس سے دونوں کا اکٹھا رہنا مشکل ہو جائے۔ رفاقت جاوید اسی نفسیاتی مسئلے کو بیان کرتی ہیں۔ انسانی ضروریات زندگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جہاں اسلام نے بچوں کی پیدائش میں وقفے کی گنجائش رکھی ہے وہاں یہ بھی لازم کیا ہے کہ ایسا کرنا تب ہی جائز ہو گا جب میاں، بیوی دونوں اس پر رضامند ہوں گے، دونوں میں سے ایک کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے کی مرضی کے بغیر اکیلے ہی ایسا کوئی بھی فیصلہ کرے۔ اسلام نے اس معاملے میں یہ بھی لازم کیا ہے کہ اگر مرد ایسا چاہے گا تو عورت سے اجازت لینا لازمی ہے۔

رفاقت جاوید بن چاہے بچے کی ذہنی کیفیت کو بیان کرتی ہیں۔ اگر اولاد کا حصول میاں بیوی کی مرضی کے بغیر ہو تو ایسی اولاد بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ انھیں نفسیاتی مسائل کے اثرات نہ صرف ایک خاندان پر پڑتے ہیں بلکہ معاشرہ بھی اس سے بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی وجہ سے بھی والدین میں علیحدگی یا طلاق ہو جائے تو بھی اولاد بری طرح متاثر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں بچے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں اور اپنی محرومیوں کا انتقام صرف اپنے گھر والوں سے نہیں بلکہ سارے معاشرے سے لیتے ہیں۔

## ۳۔ سفارشات:

۱. سماجی مسائل کے تناظر میں دیگر ناول نگاروں سے تقابل کیا جا سکتا ہے۔
۲. حب الوطنی بھی ان کے ناولوں کا موضوع ہے، اس تناظر میں بھی ان کے ناولوں کو موضوع بنایا جا سکتا ہے۔

# کتابیات

## بنیادی ماٰخذ:


۱. رفاقت جاوید، حوا کے روپ ہزار، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۴ء
۲. رفاقت جاوید، ریشم کے دھاگے، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۵ء
۳. رفاقت جاوید، رنگِ خلش، القریش پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، ۲۰۱۶ء


## ثانوی ماٰخذ:


۱. المقدمہ، ابن خلدون، مطبوعہ بیروت
۲. سید ابو اعلیٰ مودودی، اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۹ء
۳. ابو داؤد، سنن ابو داؤد، (مترجم ابو عمار عمر فاروق سعیدی) ۲۰۰۶، جلد اول
۴. ابنِ کثیر، ابو الفدا عماد الدین، تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۲
۵. امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، ترمذی شریف، (مترجم علامہ بدیع الزماںؒ) جلد اول، اپریل ۱۹۸۸
۶. سید ابو اعلیٰ مودودی، پردہ، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۹
۷. امام مسلم، صحیح مسلم، حدیث ۱۶۳۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان
۸. خورشید اسلام، ڈاکٹر، تنقیدیں، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ، ۱۹۵۷ء
۹. خالد اشرف، ڈاکٹر، برِ صغیر میں اردو ناول، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۵ء
۱۰. علامہ راشد الخیری، صبح زندگی، دُرویش پریس دہلی، ۱۹۱۸ء
۱۱. سابق مصری، سید، خاندانی نظام، مکتبہ اسلامیہ حادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور، ۲۰۱۵ء
۱۲. شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، (مترجم مولانا عبد الرحیم)، قومی کتب خانہ، لاہور ۱۹۸۳
۱۳. صالحہ زرین، ڈاکٹر، اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ابتداء سے ۱۹۴۷ء تک، سرسوتی پریس الہٰ آباد، ۲۰۰۰ء
۱۴. ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، آزادی کے بعد اردو ناول، انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۹۷ء

۱۵. محمد افضال، ڈاکٹر، اردو ناول میں سماجی شعور، پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء،

۱۶. نیلم فرزانہ، اردو کی اہم خواتین ناول نگار، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۹۲ء

۱۷. نجم السحر اعظمی، علامہ راشد الخیری شخصیت اور ادبی خدمات، کلر پریس، دہلی، اکتوبر ۲۰۰۰ء

۱۸. نگینہ جبیں، اردو ناول کا سماجی اور سیاسی مطالعہ ۱۹۴۷ء کے بعد، کیشو پرکاش پبلی کیشنز، لہ آباد، ۲۰۰۲ء


## رسائل:


۱. ماہ نامہ، پاکیزہ، نومبر ۲۰۱۵ء


## انٹرویوز:


۱. رفاقت جاوید، (انٹرویو) اسد جہانگیر عادل، ۳-اپریل ۲۰۱۹ء

۲. رفاقت جاوید، (انٹرویو) اسد جہانگیر عادل، ۸ ستمبر ۲۰۱۹ء

۳. رفاقت جاوید، (انٹرویو) اسد جہانگیر عادل، ۱۵ مارچ ۲۰۲۰ء

۴. رفاقت جاوید، (انٹرویو) اسد جہانگیر عادل، ۱۵-اگست ۲۰۲۰ء


## انگریزی مآخذ:


۱. Family maintenance court act 1964, section 17

۲. Pakistan Penal court

۳. Guardian and ward act 1890

۴. Woman inheritance protection act 2011

۵. Muslim Family Law Ordinance 1961